[illegible] ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ [illegible]

نمبر ۴

حیاتِ خسرو

جس میں

طوطی ہند حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ المتوفی ۷۲۵ھ

کے

سوانح عمری ۔ تصنیف و تالیف ۔ ایجاد و اختراع کے مفصل حالات

اور

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہٗ کے مختصر واقعات

بطور ضمیمہ درج ہیں

مؤلفہ

منشی محمد سعید احمد صاحب رہروی

مطبوعہ نولکشور سٹیم پریس لاہور

قیمت فی مجلد

۱۹۰۹ء

تعداد جلد

دکبل ٹریڈنگ کمپنی کی نوطبع وجدید کتب

علوم الاسلام

مسلمانوں کے علوم وفنون کا مسئلہ نہایت غامض ہے۔ فلسفہ، منطق، ہیئات، ہندسہ، طبیعیات وغیرہ کی سیکڑوں بلکہ ہزاروں عربی کتابیں موجود ہیں اور ان علوم کا ایک معتدبہ ذخیرہ ہمارے قدیم نصاب درس میں بھی داخل ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ قدما کو کس حد تک ان میں دخل تھا اور خود مسلمانوں نے ان علوم میں کیا کیا اضافے کئے ہیں کون کون سے مسائل جن سے قدما ناواقف تھے تحقیق کئے اور موجودہ تحقیقات ان مسائل کو کہاں تک صحیح مانتی ہے طب کو ہم یونانی کہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس فن میں اطبائے اسلام نے کیا کیا چیزیں ایجاد کیں۔ کتنے مسائل بڑھائے۔ علاج اور مرض کے کون کون سے نئے طریقے نکالے۔ سرجری میں کیا کمال پیدا کیا اور کس اہمیت کے آلات ایجاد کئے۔ علم کشش، علم الحیوان، ارتقا، آرکیالوجی، الکٹرسٹی، بوٹنی، کیمسٹری، ومناظر وغیرہ جنھیں ہم یورپ کی ایجاد سمجھتے ہیں علمائے اسلام نے کیوں کر یہ علوم وضع کئے۔ کیا کیا کتابیں لکھیں۔ وہ کتابیں کہاں کہاں چھپیں اور یورپ کی کن کن زبانوں میں ترجمہ ہوئیں۔ اس زمانہ میں ان کے مسائل کس حد تک صحیح وقابل تسلیم ہیں یہ تمام باتیں اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھی ہیں مسلمانوں کی قدیم صنعت، دستکاری، ایجادات اور صنعتی کارخانوں کا تذکرہ ہے اور ان کثیر التعداد کلوں اور عظیم الشان آلوں کے حالات نہایت بسط سے دیئے ہیں جو خاص مسلمانوں کی ایجاد ہیں۔ یورپ وامریکہ کی مختلف زبانوں میں اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے سب سے مدد لی گئی ہے۔ جو بات لکھی ہے قدیم عربی کتابوں کے حوالے سے لکھی ہے اور مزید توثیق کے لئے یورپ کی تصنیفات کے حوالے بھی دئیے ہیں

نذر

بعالیخدمت عالیجناب نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی محمد مشتاق حسین صاحب خان بہادر انتصار جنگ

میں نہایت ادب سے

اپنی اِس ناچیز تالیف کو جناب والا کے نام نامی پر نذر کرتا ہوں۔ اِس حقیر تالیف کو جناب والا کے نام نامی سے منسوب کرنے میں

نہ تو

جناب والا کی اُس خداداد عزت اور شہرت میں جو بفضلہ تعالیٰ اِس وقت حاصل ہے کوئی بیشی ہو سکتی ہے۔

نہ یہ نذر

کسی ستایش کی تمنا یا صلے کی توقع کے خیال سے ہے۔

بلکہ

محض اِس خیال سے ہے کہ میری قوم میں جناب والا علاوہ دیگر اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے سب سے زیادہ علمی معاملات میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ پس آپ سے فخر قوم کے نام نامی کی برکت سے مجھے امید قوی ہے کہ ان اوراق پریشاں کو قبولیت کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار محمد سعید احمد مارہروی
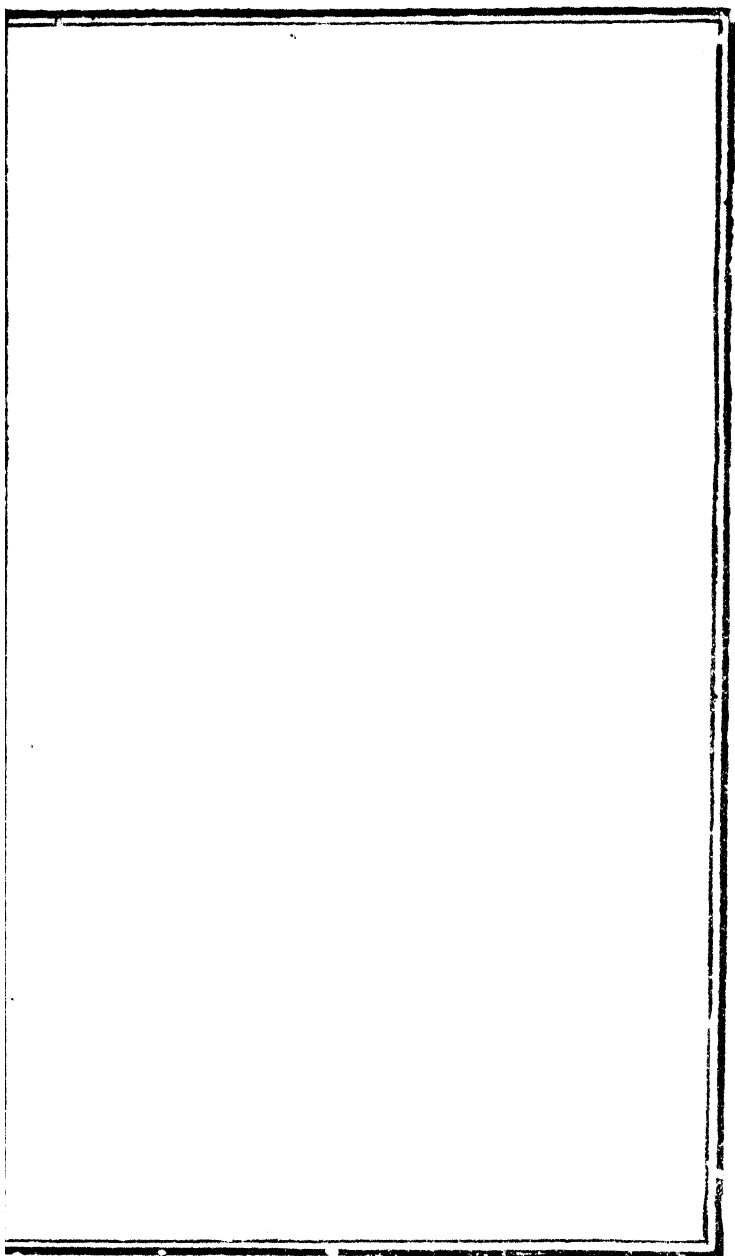
خدا را کنم بر سرِ نامہ یاد
کہ بر بندہ درہائے معنی کشاد
(امیر خسرو)

دیباچہ طبعِ ثانی

رمضان ۱۳۲۲ھ ہجری میں حیات خسرو کو میں نے ایک ماہ کے عرصے میں تالیف کرکے چھپوایا تھا۔ اس وقت کئی کتابیں باوجود تلاش بسیار مجھے دستیاب نہیں ہوئیں تھیں۔

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے شجر کمال کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اُن کی سوانحعمری لکھنا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ محض حسن عقیدت کے جوش نے مجھے اِس دشوار گذار راستے پر قدم رکھنے کی ہمت دلائی تھی مگر افسوس کہ بے بضاعتی کی وجہ سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں۔ اور سوانحعمری تو کیا معمولی حالات بھی جمع نہ ہوسکے۔

اُردو زبان میں کسی کتاب کا دوبارہ طبع ہونا معراج کمال سے کسی طرح کم نہیں سمجھا جاتا یہی وجہ ہے کہ اب تک طبع ثانی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اب مخدومی شیخ علاء الدین محمد صاحب مینیجنگ ڈائرکٹر وکیل ٹریڈنگ کمپنی امرتسر کی توجہ سے اس کتاب کے طبع ثانی کا وقت آیا۔ اس مرتبہ بہت سے جدید حالات اضافہ کئے گئے ہیں جو امید ہے کہ دلچسپی سے دیکھے جاوینگے۔ اس بات کا افسوس رہا کہ اس مرتبہ بھی حضرت امیر خسرو رح کی کئی تصنیفات مثل آئینہ اسکندری۔ دیوان غرۃ الکمال وغیرہ کا کہیں پتہ نہیں ملا ورنہ ممکن تھا کہ ان سے کچھ اور زیادہ معلومات حاصل ہوتی۔ سعید مارہروی۔ آگرہ ۲۴ شعبان ۱۳۲۶ھ

[illegible] ستمبر ۱۹۰۸ء
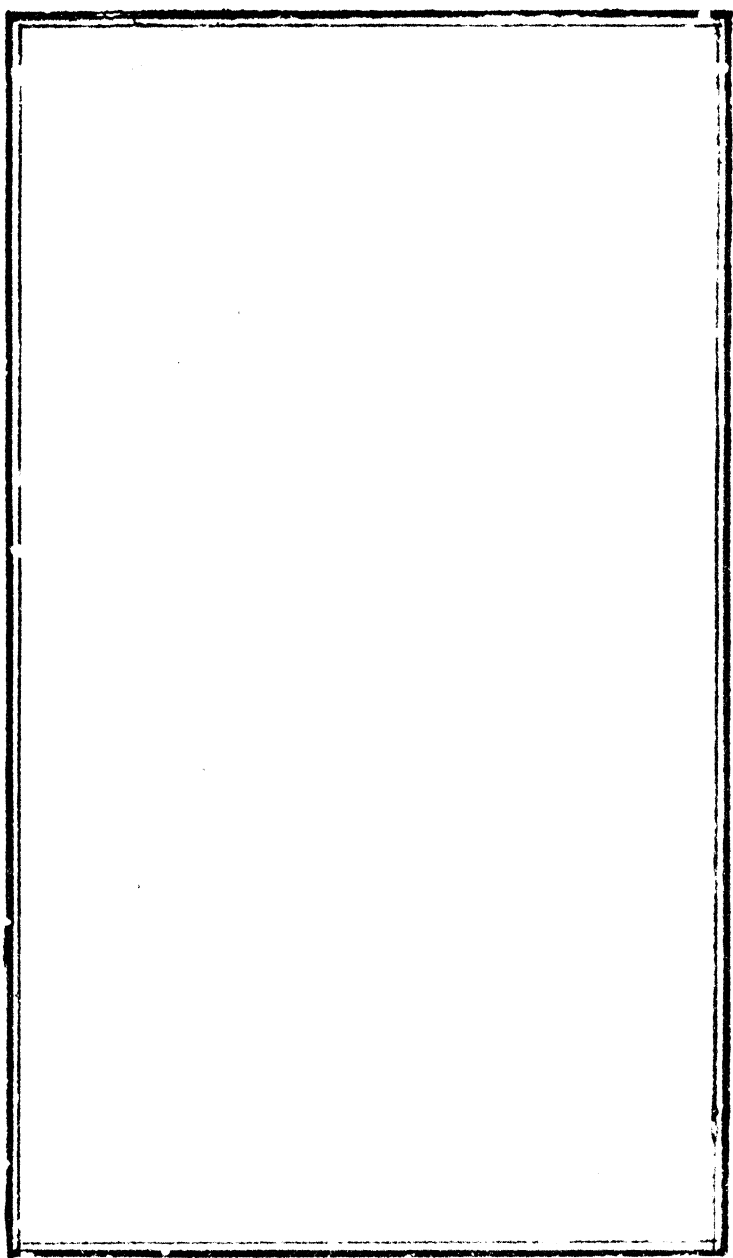
یا فتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

سبحان اللہ ۔ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا ولا معرفۃ لنا الا ما الھمتنا انک انت العلیم الحکیم ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین

آج کل اہلِ یورپ ہر قسم کے علوم و فنون میں ترقی کرتے ہوئے آسمانِ کمال پر پہنچے جاتے جاتے ہیں۔ اُن کی علمی قدر دانی کا یہ حال ہے کہ وہ ہزاروں لاکھوں روپے صرف کر کے نہ صرف اپنے بلکہ دیگر مشرقی لوگوں کے مصنفوں۔ مؤلفوں۔ صناعوں۔ مصوروں اور دیگر اہلِ کمال لوگوں کے حالات زندگی نہایت تلاش و جستجو سے بہم پہنچا کر اُن کو حرزِ جاں بناتے ہیں اور اُن سے سبق حاصل کر کے ترقی کے معراجِ کمال پر پہنچتے جاتے ہیں۔ وہ نامور شعرا اور مصنفوں کی یادگاریں قائم کر کے اُن کے یادگار کی چیزوں کو نہایت عزت و افتخار کے ساتھ بطور تبرک بڑے بڑے عجائب خانوں میں رکھتے ہیں۔ اُن کے جائے پیدائش کے نقشے اتار کر اُن سے جنتریوں اور کتابوں کے اوراق کو مزین کرتے ہیں۔ اُن کی یادگاریں اُن کی پیدایش کے دن ہمیشہ قائم کرتے ہیں۔ انگلستان میں وہاں کے مشہور ڈراما نویس شیکسپیر کی پیدایش کے دن ہر سال میلہ ہوتا ہے۔ جس میں اس فاضل کی وہ چوکی جس پر وہ ایام زندگی

میں مٹیھا گرتا تھا بطور تبرک اور عجیب شے کے پیش کی جاتی ہے اور ہزاروں لوگ دور دور سے اُسے دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح مدّت سے مشہور شاعر عمر خیام کی یادگار میں ایک کلب قائم ہے جس میں اس صاحب کمال کی رباعیات نہایت ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں اور انگریزی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں اُن کی رباعیات کے متعدد ترجمے شایع کئے گئے ہیں۔ مشہور ومقبول مصنّف لارڈ مکالے کے دس دس جگہ کاٹ پھانس کئے ہوئے مسودے نہایت اعزاز سے آج تک لندن میوزیم (عجائب خانہ) میں رکھے ہوئے زیارتگاہ خاص وعام ہیں۔ اسی طرح فریرا (اٹلی کے شمالی حصّے میں ایک مقام ہے) کے مشہور مصنف اریسٹو کے آٹھ آٹھ جگہ کاٹے ہوئے مسودے نہایت عزت سے اب تک محفوظ رکھے گئے ہیں۔

برعکس اس کے مسلمان جو آٹھویں صدی ہجری تک علمی سرمایوں پر تنہا قابض تھے اور جن کے ہادی برحق کا یہ ارشاد ہے **اذکرو محاسن موتاکم** یعنے اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو۔ آج کل ایسے خواب غفلت میں سوئے ہوئے ہیں کہ کسی طرف توجہ نہیں کرتے اور روز بروز قعر مذلت میں گرتے جاتے ہیں۔ ہماری اس خواب غفلت۔ لاپرواہی۔ خود مطلبی سے ہمارے سیکڑوں ہزاروں مشاہیر کے حالات گوشۂ گمنامی میں ایسے ناپدید ہوگئے کہ قیامت تک اُن کا پتہ چلنا مشکل ہے بقول شیخ سعدی ؎

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند | کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد نہایت دلسوزی سے تحریر فرماتے ہیں۔

میرے دوستو! زندگی کے معنے کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھرنا۔ سورہنا۔ اور مرکے بورے جانا نہیں ہے۔ زندگی کے معنے یہ ہیں۔ کہ صفات خاص کے ساتھ نام کو شہرت

ہو۔ اور اُسے بقائے دوام ہو۔ اب انصاف کرو کیا یہ تھوڑے افسوس کا موقع ہے
کہ ہمارے بزرگ تو بیاں بہم پہنچائیں۔ اُنہیں بقائے دوام کے سامان ہاتھ آویں اور
اس پر نام کی زندگی سے بھی محروم رہیں۔ اُن کے کاموں کا اِس گمنامی کے ساتھ
صفحۂ ہستی سے مٹنا بڑے حیف کی بات ہے۔ جس مرنے پر اُن کے اہل و عیال روئے
وہ مرنا نہ تھا۔ مرنا حقیقت میں ان باتوں کا مٹنا ہے۔ جس سے ان کے کمال مرجائینگے
اور یہ مرنا حقیقت میں سخت غمناک ہے۔

ہماری اِس لاعلمی سے روز بروز بزرگان سلف کی عظمت ہمارے دلوں سے
کم ہوتی جاتی ہے۔ ایک انگریزی مصنف کا قول ہے "کہ وہ قوم کبھی آئندہ ترقی کی
اُمید نہ رکھے جس کو اپنی گذشتہ عظمت پر ناز نہیں ہے" بڑے بڑے فضلا کا اِس
امر پر اتفاق ہے کہ گذشتہ مشاہیر قوم کے کارنامے افسردگانِ قوم کے ولولے بڑھاتے
ہیں۔ گذشتہ مصائب سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنا ترقی اور بہبودی کی جڑ ہے۔
بزرگوں کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ ہم کو سکھاتے ہیں کہ ہم بھی اپنی
زندگی اسی طرح اعلےٰ بنا سکتے ہیں۔ اُن کی تصنیفیں تالیفیں اُن کی زندہ یادگاریں
دنیا میں موجود ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اُن سے مستفیض ہو سکتے ہیں ؎

ز سعدی نہ فرد زدقیق در جہاں باقی ست	ولے مناقب و ذکر سخنوراں باقی ست
کجاست خسرو و پرویز جاہ و شوکت او	نہ طاقدیسی و نہ گنج شائگاں باقی ست
جہان و انچہ درو ہست جملہ وقفِ فناست	ولے زفیض سخن حال رفتگاں باقی ست

کیا یہ افسوس کی بات نہیں تھی کہ ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی زبان یعنے
اُردو میں ہندوستان کے بلبل ہزار داستان فخر الشعرا اعلم علماء صاحبِ اختراع

ا؎ نام شاہ عجم ۲؎ نام تخت خسرو پرویز ۳؎ نام خزانہ خسرو پرویز

درباب جناب حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی موجود نہ تھے۔ یہ صاحب کمال جس کا نام نامی آفتاب کی طرح روشن اور جن کی تصنیف تالیف اور کلام معجز نظام کسی تعریف و توصیف کا محتاج نہیں ہے دماغ انسانی کے کمالات کا ایسا اعلےٰ نمونہ تھا جو عام نہیں ہے۔ یہی نہیں کہ وہ ہندوستان کی پرانی ہندو مسلم عاشقانہ شاعری کے دربار کے ایک اعلےٰ رکن تھے۔ نہ صرف انہوں نے حسن و عشق ہی کے میدان میں کمال دکھایا ہے بلکہ کمالات انسانی کے ہر میدان میں قدم مارا ہے۔ ان کی تصنیف و تالیف اور حالاتِ زندگی طالبان نصیحت کے لئے ناصح مشفق۔ اہل نظر کے لئے بصیرت۔ غافلوں کے لئے خواب غفلت سے بیدار کرنے کا آلہ۔ مردہ دلوں میں جان ڈالنے کے لئے دم عیسےٰ سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

اس باکمال کی سوانحعمری میں جو علمی اور اخلاقی خوبیوں سے مرصع ہے یہ امر بھی نہایت دلچسپ ہے کہ اقلیم تصنیف و تالیف میں ہماری زبان اُردو کی عالیشان عمارت کا بنیادی پتھر اسی صاحب کمال کے مبارک ہاتھ سے رکھا گیا تھا۔

میں ان پراگندہ اوراق میں اس برگزیدہ روزگار کے یہ نامکمل حالات پیش کرتا ہوں اور سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میری علمی استعداد ہرگز اس قابل نہیں کہ ایسے باکمال کے کمالات کا حال لکھ سکوں۔ نہ میں شاعر ہوں کہ ان کے نکات شاعری کا اظہار کر سکوں۔ محض جوش عقیدت میں مجذوب کی بڑ کی طرح یہ حالات لکھ رہا ہوں ورنہ ان کے اوصاف و کمال کا حال وہی لکھ سکتا ہے جو ویسا ہی صاحب کمال ہو

؎

ہو جو اس جیسا تو وصف اسکا لکھے　　آج اس جیسا مگر پیدا کہاں

قدردان ناظرین کی خدمت میں بصد عجز التماس ہے کہ کوئی مضمون کوئی کتا
کوئی علم ایک مصنف یا مؤلف کے بیان میں محصور نہیں ہو سکتا اور کتب تاریخ کا

اختلاف بھی ماہرین فنِ تاریخ پر بخوبی ظاہر ہے پس اگر اس ناچیز کتاب میں کوئی غلطی اور خطا ملاحظہ فرمائیں تو اُس کو دامنِ عفو میں چھپاکر ازراہ ہمدردی مطلع فرمائیں اور مجھ خاکسار کو انگشت نما نہ فرمائیں بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

تو نیز ار بدی بینی اندر سخن ۔ بخلق جہاں آفریں کار کن

اور جن صاحبوں کو کوئی مضمون پسند آوے تو اُسے محض تائیدِ الٰہی سمجھ کر شکرِ خداوند قدیر کا بجالاویں اور مجھ گنہگار عاجز روسیاہ کے حق میں دعائے خیر اور سلامتی ایمان کی فرماویں۔ رباعی

از ناظرِ حق پذیر یاراں ۔ یک فاتحہ التماس دارم
تا کارِ شکستہ ام برآید ۔ آں دامن شاں نے گذارم

اب میں نہایت صدق دل سے اپنے مخدوم جناب مولوی محمد وارث علی صاحب سابق اڈیٹر اخبار اسلام آگرہ صاحبِ شمس التواریخ وسانحہ کربلا وغیرہ کا جن کی اونٹ توجہ بقول حضرت امیر خسرو رح ؎

شمع من یافتہ ضیا از وے ۔ مسِ من گشتہ کیمیا از وے

اور جناب مولوی محمد معین الدین صاحب اکبر آبادی سررشتہ دار کلکٹری متھرا اور جناب منشی محمد طٰہٰ صاحب مارہروی اور جناب منشی محمد عابد علی صاحب فتحپوری اور جناب منشی محمد عزیز الدین صاحب فتحپوری کی اُس امداد کا جو انہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں مجھے دی ہے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور

بارگاہ خداوند قدیر میں دست بدعا ہوں

کہ اس ناچیز کتاب کو قبول عام کا درجہ نصیب ہو اور اس کے پڑھنے اور سننے والوں کو سعادت دارین حاصل ہو۔ آمین وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد ۔

بندۂ گنہگار امیدوار مغفرت پروردگار

محمد سعید احمد ابن مولوی محمد سلطان احمد ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

یکم رمضان ۱۳۲۱ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۰۳ء

فہرست مضامین حیات خسرو

نمبر شمار	مضمون

خاص خاص کتابوں کی فہرست
جن سے یہ سوانحعمری ماخوذ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	زبان	مطبوعہ یا قلمی
۱	مثنوی قران السعدین	حضرت امیر خسرو دہلوی رح	فارسی	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۲	" مطلع الانوار	"	"	"
۳	ہشت بہشت	"	"	"
۴	لیلی مجنوں	"	"	"
۵	خضر نامہ یا خضر خانی دول رانی	"	"	قلمی موجودہ کتب خانہ جے پور
۶	خیالات خسرو یا انشاے خسرو	"	"	"
۷	خزائن الفتوح یا تاریخ علائی	"	"	"
۸	رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی	"	"	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۹	خامہ خسرو	"	"	"
۱۰	ملفوظات خواجگان چشت	مترجمہ مرتبہ مولوی غلام احمد خان بریاں	اردو	مطبوعہ مسلم پریس جموں
۱۱	تذکرہ آتشکدہ آذر	حاجی لطف علیخان آذر	فارسی	مطبوعہ فتح الکریم پریس بمبئی
۱۲	تذکرہ دولت شاہ	دولت شاہ بن علاء الدولہ بختی شاہ سمرقندی	"	مطبوعہ
۱۳	" مرآۃ الخیال	شیر خان	"	قلمی
۱۴	" خزانۂ عامرہ	علامہ زماں میر غلام علی آزاد بلگرامی	"	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۱۵	" کلمات الشعرا	محمد افضل سرخوش	"	قلمی
۱۶	شمع انجمن	نواب محمد صدیق حسن خان مرحوم	"	مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال
۱۷	نگارستان سخن	سید نور الحسن	"	"
۱۸	جواہر خسروی	شیخ علی اصغر	"	قلمی
۱۹	[illegible]	[illegible]	فارسی	مطبوعہ مطبع نظامی کانپور
۲۰	سفینۃ الاولیا	شاہزادہ دارا شکوہ	"	" مدراس

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	زبان	مطبوعہ یا قلمی
۲۱	سیر الاولیا	مولانا سید محمد مبارک العلوی الکرمانی	فارسی	مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی
۲۲	مونس الارواح	شاہزادی جہاں آرا بیگم	〃	قلمی
۲۳	تذکرۃ الاولیائے ہند		اردو	یونیورپریس
۲۴	فوائد الفواد اردو	امیر حسن علا سنجری دہلوی ترجمہ غلام احمد خاں بریاں	〃	مسلم پریس جھجر
۲۵	تذکرۃ الواصلین	مولوی محمد رضی الدین بدایونی	〃	مطبوعہ مطبع نظامی بدایوں
۲۶	تذکرۃ الکاملین	بابو رام چندر	〃	مطبوعہ مطبع مطلع العلوم دہلی
۲۷	مطلع العلوم	منشی واجد علی خاں	فارسی	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۲۸	تاریخ فرشتہ	ملا ابو القاسم فرشتہ	〃	〃
۲۹	منتخب التواریخ	ملا عبد القادر بدایونی	〃	〃
۳۰	بہارستان جامی	مولانا جامی رح	〃	〃
۳۱	نفحات الانس	ایضاً	〃	〃
۳۲	تاریخ حیدولیہ	خادم علی فاروقی	اردو	〃
۳۳	تذکرہ آب حیات	شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد	〃	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۳۴	تاریخ ہند جلد اول و دوم	شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ خان بہادر	〃	مطبوعہ دہلی
۳۵	تاریخ فیروز شاہی	مولانا ضیاء الدین برنی رح	فارسی	مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
۳۶	بادشاہ نامہ	ملا عبد الحمید لاہوری	〃	〃
۳۷	سیر المتاخرین	میر غلام حسین	〃	〃
۳۸	تزک جہانگیری	شہنشاہ جہانگیر	〃	مطبوعہ علیگڈھ
۳۹	اورینٹل بایوگرفیکل ڈکشنری	ٹامس - ولیم - بیل	انگریزی	مطبوعہ کلکتہ
۴۰	تاریخ ہند	سر جان ایلیٹ	〃	〃
۴۱	مثنوی نہ سپہر	امیر خسرو رح	فارسی	قلمی
۴۲	تذکرہ ریاض الشعرا	حسین قلی خاں عظیم آبادی	〃	〃
۴۳	ایشیائی شاعری	مولانا امجد علی اشہری	اردو	مطبوعہ لاہور
۴۴	مفتاح التواریخ	ٹامس - ولیم - بیل	فارسی	لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ۔ پیدائش اور بچپن کے حالات

سنہ ہجری کی ساتویں صدی کے شروع میں جبکہ چنگیز خانی حملوں کے ظلم و ستم اور کشت و خون کے سیلاب نے اسلامی دنیا کو تہ و بالا کر رکھا تھا اور اس خونخوار انقلاب سے بچنے کے واسطے سیکڑوں ہزاروں اعلےٰ و ادنےٰ اسلامی خاندان اپنے پیارے ہم وطن املاک کو خیرباد کہہ کر نہایت پریشانی اور بدحواسی

سے بھاگتے پھرتے تھے۔ ترکوں کے ایک نامی سردار امیر سیف الدین محمود نے سرزمین ہند میں قدم رکھا اور قصبہ مومن آباد میں جو اب پٹیالی کے نام سے موسوم اور ضلع ایٹہ میں گنگا کے کنارے واقع ہے سکونت اختیار کی۔

اِس زمانہ میں ترک سکونت اور تبدیل وطن کرنا بہت دشوار اور ناممکن امر خیال کیا جاتا ہے لیکن جس زمانہ میں کہ مسلمانوں کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا اور ان کی سلطنت کا پھریرا ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں اور بعض حصص یورپ پر لہرا رہا تھا وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں تبدیل وطن کرنا ایسا ہی آسان سمجھتے تھے کہ جیسے آج ہم دخانی انجن کے بدولت ہندوستان میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا آسان سمجھتے ہیں۔

امیر سیف الدین محمود کے حالات صرف اس قدر معلوم ہیں کہ وہ ترکوں کے قبیلے لاچین کے سردار اور امرائے ہزارہ بلخ سے تھے اور قریش کے اطراف میں رہتے تھے۔

اِس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ ہندوستان کو امیر سیف الدین محمود کی میزبانی کا فخر مغلوں کے ظلم وستم کی وجہ سے حاصل ہوا یا اس جنت نشان کی سرسبزی وزرخیزی اور مہمان نوازی کی عظیم الشان شہرت نے اپنی کشش مقناطیسی سے اِس صاحب کمال کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ بہرحال جو کچھ وجہ ہو۔ ہندوستان نے اپنے عزیز مہمان کو سر آنکھوں پر لے کر خوش نصیبی کی یاوری سے شاہی دربار تک پہنچا دیا۔ دہلی کے تخت پر اُس وقت سلطان

شمس[1] الدین التمش رونق افروز تھا۔ اس قدردان اور کمال پرور سلطان نے امیر سیف الدین محمود کی خداداد قابلیت اور پسندیدہ اوصاف کو دیکھ کر بہت جلد اپنے امراء کی سلک میں منسلک فرمایا +

امیر سیف الدین محمود نے ہندوستان میں نواب عماد الملک[2] کی دختر نیک اختر سے جو علم و فضل سے موصوف اور زیور صلاح و تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ تھیں شادی کی۔ اور اس عفیفہ کے بطن سے اوّل اعزّ الدین علیشاہ اور ان کے بعد حسام الدین احمد پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۶۵۳ھ[3] (۱۲۵۵ء) میں بمقام پٹیالی اس صاحب کمال نے عالم ارواح سے کشور اجسام میں قدم رکھا جسے علم و فضل کے عالیشان دربار سے خسرو اقلیم سخن کا خطاب عطا ہوا اور

---

[1] سلطان شمس الدین التمش دہلی کے نیک نام بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے اسی باعظمت بادشاہ کے واسطے سنہ ۶۲۶ھ (۱۲۲۸ء) ہجری میں عباسی خلیفہ نے مصر سے خلعت اور القاب بھیجا تھا اس کی خوشی میں بادشاہ نے تمام شہر میں آرائش کی اور خوب جشن منائے۔ سنہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں یہ بادشاہ تخت نشین ہوا اور ۲۰ شعبان سنہ ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) کو وفات پائی +

[2] نواب عماد الملک فاضل کامل بلکہ جامع الکمالات بزرگ تھے۔ ان کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے کمالات صوری و معنوی کے ساتھ امارت خاندانی کا بھی جوہر رکھتے تھے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے انکی صفت دیباچہ دیوان غرۃ الکمال میں تحریر فرمائی ہے۔ آپ کا مکان دہلی قدیم میں منڈی دروازے کے قریب تھا۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے بعد واپسی اجودھن کے اوّل اسی مکان کے قریب قیام فرمایا تھا۔ یہ موقع اب درگاہ حضرت قطب صاحب کے قریب بی بی نور کے مقبرہ کے متصل واقع ہے +

[3] امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے سنہ پیدائش میں مورخوں نے اختلاف کیا ہے لیکن امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ قران السعدین میں جو ۶۸۸ھ کی تصنیف ہے اپنی عمر ۳۶ برس تحریر فرماتے ہیں جسکے حساب سے ۶۵۲ھ صحیح نکلتے ہیں سہ آنچہ بتاریخ ز ہجرت گذشت + بود سنہ ششصد و ہشتاد و ہشت + سال من از دہ گذر بر سی است + راستی گویم بہ شش بردہ کی +

اس کی فصاحت وبلاغت تصنیف وتالیف نے اس کو بقائے دوام کے دربار میں معزز جگہ عطا فرمائی۔

امیر سیف الدین محمود نے اپنے نومولود فرزند کا نام ابوالحسن رکھا جو اس خسرو ؔتخلیص سخن کے تخلص خسرو کے آگے مشہور نہ ہوا البتہ خاندانی خطاب کا خوش نما طرہ مزین کرکے امیر خسرو کر دیا گیا۔

منقول ہے کہ امیر سیف الدین محمود کے مکان کے قریب ایک مجذوب صاحب حال رہتے تھے جس وقت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان مجذوب کی خدمت میں لے گئے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی ان مجذوب نے فرمایا کہ یہ ایک عارف باللہ اور یگانۂ روزگار ہوگا قیامت تک اس کا نام یادگار رہے گا۔ اور دو قدم خاقانی سے آگے بڑھ جائے گا۔ اس کے بعد دعا دی کہ اللہ تعالےٰ اس کو ہر دل عزیز کرے

چار برس کی عمر تک امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ناز و نعمت سے پٹیالی میں پرورش پائی۔ اس کے بعد اپنے والد ماجد کے ہمراہ دہلی تشریف لائے۔ ان کے بچپن اور تعلیم وتربیت کے حالات صرف اس قدر معلوم ہوتے ہیں کہ آٹھ برس کی عمر تک اپنے باپ اور بھائیوں کی صحبت میں جو زیور علم اور لباس فضل وکمال سے آراستہ اور صفات حمیدہ سے موصوف تھے تحصیل علم وکمال کرتے رہے۔ جب نویں برس میں قدم رکھا شفقت پدری کا مبارک سایہ سر سے اٹھ گیا یعنی امیر سیف الدین محمود نے جن کی عمر اس وقت پچاسی برس کی تھی کسی لڑائی میں کفار کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

لہ خزانہ عامرہ ۔ مونس الارواح ۔ تذکرۃ الاولیائے ہند ۔ سیر الاولیا ۱۲

بنی نوع انسان کے وہ افراد جنھیں صانع قدرت صفتِ کمال سے موصوف کرتا ہے ابتداے عمر ہی سے اپنے ابناے جنس سے صاف الگ نظر آتے ہیں - ہندی میں مثل مشہور ہے۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔ چنانچہ امیر خسرو رح کی رسائی ذہن اور طبیعت کی براقی کا اس عمر ہی میں یہ حال تھا کہ جس وقت انھیں اپنے والد ماجد کی شہادت کا حال معلوم ہوا ان کے مرثیہ میں فوراً یہ بیت موزوں کی ؎

سیف از سرم گزشت و دلِ من دو نیم ماند
دریاے ما روان شد و دُرِّ یتیم ماند

امیر سیف الدین محمود کی شہادت کے بعد ان کے بڑے بیٹے اعز الدین علیشاہ ان کے قائم مقام ہوئے - لیکن امیر خسرو رح کی تعلیم و تربیت ان کے صاحب کمال نانا نواب عماد الملک نے جن کی عمر اس وقت ایک سو تیرہ برس کی تھی نہایت شفقت سے اپنے ہاتھ میں لی اور اس قدر توجہ اور التفات آپ کی طرف مبذول فرمائی کہ بہت تھوڑی مدت میں انھوں نے جملہ علوم عقلی و نقلی میں جو اس عہد میں مروج تھے سند فضیلت حاصل کی - اور فضلاے عہد میں شمار ہونے لگے +

حضرت امیر خسرو رح نے اپنے پہلے دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں اپنی ابتدائی شاعری کے دلچسپ حالات لکھے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے —

"بندہ خسرو عرض پرداز ہے کہ عنایت ایزدی سے میں نے بارہ برس کی عمر میں بیت و رباعی کہنی شروع کی - فضلاء اور بلغاء روزگار ان کو سنکر تعجب کرتے تھے - ان کے تعجب سے میرا شوق ابھرتا تھا - وہ بزرگ میری قابلیت دیکھ کر ترغیب دیتے تھے - میرا یہ عالم تھا کہ کثرت شوق کے اثر سے شام سے صبح تک چراغ کے سامنے مثل قلم سرنگون رہتا تھا اور رات کو مطالعہ میں مصروف

یہاں تک کہ نظر میں دقت پیدا ہوئی۔ اور کلام کی باریکیاں خیال میں آنے لگیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تھا کہ ابنائے جنس میری طبیعت کا امتحان لیتے تھے۔ امتحان سے میرا دل گرماتا تھا۔ اور دل کی گرمی زبان میں روانی پیدا کرتی تھی۔ اس وقت تک کوئی استاد نہ ملا تھا جو دقایق کی راہ بتاتا۔ قلم کو بے راہ روی سے روکتا۔ نقایص کو دور کرکے کمال کا جلوہ دکھاتا۔ پس میں نوآموز طوطی کی طرح اپنے ہی خیال کے آئنے کے سامنے بیٹھا بیٹھا مشق سخن کرتا تھا۔ اور سخن سنجی سیکھتا تھا۔ اسی طرح آہنِ دل کی صیقل گری اپنی ہی قوتِ بازو سے کرتا رہا۔ استادوں کی تصانیف کا مطالعہ ہمیشہ کرتا تھا۔ حتےٰ کہ مذاقِ لطفِ کلام ذوق سخن سے آشنا ہوا۔ انوری رسنائی کا کلام دیکھتا اور فہم کو روشنی پہنچاتا۔ جو عمدہ نظم نظر آتی اُس کا جواب لکھتا۔ جس دیوان کا مطالعہ کرتا اُسی کے انداز پر شعر کہتا۔ ایک عرصے تک خاقانی کے دامن دولت سے لپٹا رہا۔ جو الفاظ اُس کے کلام میں مغلق تھے اُن کی تعلیق کی یعنی نوٹ لکھے۔ اگرچہ مغلق اشعار کو حل کرتا تھا تاہم بمقتضائے نوعمری کما حقہ عقایق کلام واضح نہیں ہوتے تھے ہرچند میری ہمت آسمان پیما تھی لیکن اُستاد کے کلام کا پایہ اتنا بلند تھا کہ میرے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی تھی۔ بایں ہمہ عاقبۃ الامر اُستاد کی پیروی سے طبیعت بڑھنے لگی چونکہ میرے کلام کا کوئی خاص مرجع نہ تھا ہر اُستاد کے رنگ میں کہتا تھا۔ اِس لیے اس مجموعہ میں متقدین اور متاخرین سب کا رنگ موجود ہے۔

حاصل کلام میرے والد نے تحصیل علم کے واسطے مجھے مکتب میں بٹھایا یہاں یہ حال تھا کہ قافیہ کی تکرار تھی۔ میرے استاد مولانا سعدالدین خطاط مشق خط کی تاکید کرتے تھے میں اپنی ہی دُھن میں تھا۔ وہ بیٹھے پڑتے لگاتے تھے مجھ کو زلف و

ننال کا سودا تھا انتہا یہ کہ اسی سن میں وہ شعر و غزل کہنے لگا جس کو سن کر بزرگوں
کو حیرت ہوتی تھی ؎

ایک مرتبہ صبح کے وقت میرے استاد کو خواجہ اصیل نائب کوتوال نے خط
لکھنے کے واسطے بلایا۔ میں دوات قلم لے کر ہمراہ ہوا اُس عزیز کے گھر میں خواجہ
عزیزالدین کالوگلاتی نظر بند تھے۔ خواجہ موصوف عالم متبحر اور دریائے سخن کے شناور
تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ مطالعہ کتاب میں مصروف تھے۔ اثنائے مطالعہ میں
جب وہ کسی مضمون پر گفتگو کرتے تھے تو اُن کے مُنہ سے موتی جھڑتے اور جواہر
آبدار زبان سے نکلتے۔ میرے استاد نے اُن سے کہا کہ یہ میرا ننھا سا شاگرد اس بچپن
میں نظم کا بیحد شائق ہے۔ شعر پڑھتا بھی خوب ہے۔ کتاب اس کو دیکر امتحان لیجئے۔
خواجہ عزیز نے فوراً کتاب مجھ کو دے کر سنانے کی فرمایش کی۔ میں نے اشعار ترنم
آمیز لہجہ میں پڑھنے شروع کئے۔ اُس کے اثر سے آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ ہر طرف
سے تحسین کی آواز آنے لگی۔ پھر میرے استاد نے کہا کہ اب پڑھنا سُن لیا کوئی بیت
پیش کر کے جودت طبع کی آزمائش کیجئے۔ خواجہ موصوف نے چار غیر متناسب چیزوں
کے نام لے کر کہا کہ ان کو نظم میں موزوں کرو۔ وہ نام مو۔ بیضہ۔ خربزہ۔ تیر۔ تھے۔
میں نے اسی جلسہ میں یہ رباعی موزوں کر کے سنائی ؎

ہر موئے کہ در دو زلف آں صنم است — صد بیضہ عنبریں براں موئے ضم است
چوں تیر بداں راس دلش را زیرا کہ — چوں خربزہ دندانش دروں شکم است

جس وقت میں نے یہ رباعی پڑھی خواجہ نے بہت ہی آفرین فرمائی اور نام پوچھا۔ میں نے
کہا خسرو۔ باپ کا نام پوچھا۔ میں نے کہا لاچین۔ کہا لاچین ترک خطا ہے۔ میں نے
جواب دیا کہ بیشک ترک ہے۔ دریافت کیا کہ تم درم خریدہ ناصری (اشارہ بجانب سلطان
ناصرالدین) ہو۔ عرض کی سلطانی شمسی (اشارہ بجانب سلطان شمس الدین شمسی)

ہوں (سلطانی اشرفی کو کہتے تھے۔ درم خریدہ کی کیسی رعایت ہے) فرمایا کہ چونکہ تمہاری نسبت سلطانی ہے لہذا سلطانی اپنا تخلص رکھو۔ اِس کے بعد بہت سی باتیں پیرؐ نے دل بڑھانے کی کیں اور فن کے متعلق بہت سی دقیق باتیں تلقین فرمائیں جن کو میں دل میں رکھتا گیا اُس روز سے میں نے اپنا تخلص سلطانی رکھا۔ اِس دیوان میں یہ سکہ بہت رائج ہے۔ اس کے بعد باریک مضامین کے پیچھے پڑا رہا۔[1]

امیر خسرو کی اُستادی کا فخر خواجہ شمس[2] الدین خوارزمی کو بھی اِس لحاظ سے

---

[1] از انتخاب غزلیں (ترجمہ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی)۔

[2] خواجہ شمس الدین خوارزمی فاضل متبحر اور علمائے کبار سے تھے اور شاعری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے عہد (۶۴۴ھ ۱۲۴۵ء تا ۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء) کے سب سے بڑے عالم اور شاعر مشہور تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے عہد کے آخر زمانے میں ان کو شمس الملک کا خطاب عطا فرما کر اور صوبہ بنگال کا میر منشی کر کے اپنے بیٹے نصیر الدین بغرا خاں کے پاس بھیج دیا تھا۔

تاج الدین سنگریزہ نے ان کی مدح میں فرمایا ہے ؎

شمسا کنوں بکامِ دلِ دوستاں شدی	فرماں دہِ ممالکِ ہندوستاں شدی

قبل حکومت سلطانی کے یہ طلبا کے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے اور ایک حجرہ مطالعہ خاص کے واسطے مخصوص کر رکھا تھا۔ تین شاگرد خاص جو صاحب استعداد ہوتے تھے وہ اس حجرہ میں مولانا سے پڑھتے تھے بقیہ شاگرد باہر تعلیم پاتے تھے۔ بڑے بڑے بزرگ اور اولیاء اللہ مثل حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ اور ملا قطب الدین ناقلہ اور قاضی برہان الدین عبد الباقی کی استادی کا فخر آپ کو حاصل تھا۔ نمونہ کے طور پر آپ کے اس قدسی قصیدہ سے جو سلطان ناصر الدین محمود کی مدح میں لکھا ہے چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

ایں ہمہ کارِ دلم از توبہ نادانے خام	دادہ دوستش براو وعدۂ مہمانی خام
پختہ کردم ہمہ شب چشم نہ بستم کاں	طمعے بود ازاں گونہ کہ مے دانی خام

(بقیہ حاشیہ دیکھو صفحہ ۹ پر)

حاصل ہے کہ انھوں نے آپ کی مشہور تصنیف پنج گنج کی اصلاح فرمائی ہے۔ دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ اور پنج گنج کے آخری گنج یعنے مثنوی ہشت بہشت میں حضرت امیر خسرو رح نے آپ کے علم و فضل کی بہت کچھ تعریف کر کے اُن کی شاگردی کا اعتراف کیا ہے جس سے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں ❊

(علم و فضل کی تعریف و توصیف کے بعد تحریر فرماتے ہیں)

نورِ دل چوں بہ عالم افگندہ ٭ سایہ بر کارِ من ہم افگندہ
من بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش ٭ او بہ اصلاح راند خامۂ خویش
دیدہ ہر نکتہ را فستم پہ رستم ٭ رنج بر خود نہاد منت ہم
ایں دقائق کہ شد ز مغزش پوست ٭ مو بمو شعر بیز کردہ اوست
شمعِ من یافتہ ضیا از وے ٭ مسِ من گشتہ کیمیا از وے
ہر چہ او گفت من نہادم گوش ٭ برکشیدم عکس ز شربتِ نوش
وانچہ نخود و من نجستم پے ٭ عیبِ آن بر من است نے بر وے
صد ہزار آفریں بر آں دل پاک ٭ کہ بروں برد زیں چمن خاشاک
آنچہ او دید بس نہایت دید ٭ خس و خارے ز گلشنے برچید
یارب او چوں بہ پنج نامۂ من ٭ برد بیروں خطائے نامۂ من

نامۂ او کہ حرز جانش باد
در قیامت خط امانش باد

شاہ محمود شہ سلطاں کہ از فرِ پدر ٭ دیگر دیار ز ویش نیست ز سلطانی حنام
خسرو اشمس و پیراست توی بخت سخن ٭ نیست چوں و فزیاں سوختہ دیوانی خام
ہست او پختہ شعرش چو زر پختہ و نیست ٭ سخنانش چوں سخن پختہ خاقانی خام
پختہ کز دست فلک بہر تو ملت یارب ٭ پختۂ او بہ کرم باز نہ گردانی حنام

باب دوم

امیر خسرو رح کا حضرت سلطان المشائخ رح کا مرید ہوکر صوفیانِ صافی دل کے زمرے میں شریک ہونا اور اُس کے متعلق دیگر حالات۔ اور عشق و محبت کا دلچسپ اور دلفریب مرقع

جب امیر خسرو رح علم و فضل کے کمالات ظاہری سے فیضیاب ہو چکے تو توشۂ راہ حقیقت یعنی کمالاتِ باطنی کے حصول کا شوق دامنگیر ہوا اُس وقت دہلی میں حضرت سلطان المشائخ[1] رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت و ارشاد کا بازار گرم تھا اور اُن کے انفاسِ متبرکہ سے فیض و برکت کے چشمے جاری تھے۔ جس سے ایک عالم سیراب ہو رہا تھا۔ امیر خسرو رح بھی نہایت صدق دل سے حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے چشمِ بصیرت سے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تیری پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے گلشنِ ولایت سے تجھے نفع پہنچے گا۔ یہ سنکر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ فوراً شرفِ بیعت حضرت

---

[1] سلطان المشائخ رح سے مراد حضرت محبوب الٰہی نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ سے ہے۔ کل کتاب میں جہاں لفظ سلطان المشائخ رح آیا ہے آپ ہی کی ذات والاصفات سے مراد ہے۔ آپ کا مختصر حال ضمیمہ میں تحریر کیا گیا ہے ۱۲

سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مشرف ہو کر زمرۂ مریدان جان نثار میں شامل ہوئے
امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں ؎

کالبدِ سوختہ بر جاں رسید	مردہ بسر چشمۂ حیواں رسید
کار شناس از نظر دور بیں	شد ز دلِ تیرۂ من نور بیں
دیدہ ز رم یا بتۂ کو رہ در	علتِ بیمار بہ قارورہ در
گفت ز سیمائے تو شد روشنم	کت نفسے مے رسد از گلشنم

حلقۂ مریدانِ جان نثار میں شامل ہو کر امیر خسرو رح نے اس قدر ریاضات شاقہ فرمائیں کہ حضرت سلطان المشائخ رح کی توجہ سب مریدوں سے زیادہ انکی طرف مبذول ہوئی۔ اور انھوں نے اپنے اخلاص اور اعتقاد سے بہت جلد حضرت کی خدمت میں ایسی عزت و منزلت حاصل کی کہ کسی دوسرے مرید کو میسّر نہ ہوئی +

شاہزادی جہاں آرا بیگم بنت شہنشاہ شاہجہاں سے کتاب مونس الارواح

سلہ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ ۶۸۶ھ میں جب سلطان معز الدین کیقباد نے موضع کیلو کھڑی میں جو متصل غیاث پور جائے قیام حضرت سلطان المشائخ رح کے قریب تھا۔ قصر شاہی اور قلعہ تعمیر کرایا اور شہر آباد کر کے جامع مسجد بنائی اس وقت سے ایک انبوہ کثیر اولیا کا حضرت سلطان المشائخ رح کے پاس آنے لگا اور اسی زمانہ میں امیر سیف الدین لاچین مع اپنے لڑکوں اعز الدین علی شاہ اور حسام الدین اور ابوالحسن (خسرو) کے حضرت کے مرید ہوئے اور اس وقت امیر خسرو رح کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ تاریخی تحقیقات سے یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ ۶۸۶ھ میں امیر خسرو رح کی عمر بائیس ۲۲ یا تیئیس ۲۳ برس کی تھی اور انکے والد کا انتقال نو برس کی عمر میں ہو چکا تھا اور امیر خسرو رح ۶۸۶ھ سے پہلے حضرت کے مریدوں میں شامل ہو چکے تھے (ملاحظہ ہو سیر الاولیا جو بہت مستند کتاب ہے)

میں منقول ہے کہ عنایت حضرت سلطان المشائخ رح کی امیر خسرو رح پر اس درجہ تھی کہ آپ فرماتے تھے کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں مگر اے ترک تجھ سے تنگ نہیں ہوتا۔ اور ایک روز فرمایا کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں یہاں تک کہ اپنے سے خود تنگ ہو جاتا ہوں مگر تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا +

صاحب سیر الاولیا تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائے حال میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ رح نے امیر خسرو رح سے دریافت کیا کہ شغل عبادت کا کیا حال ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ آخری شب میں چند روز سے رونا آتا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ رح نے فرمایا کہ الحمد للہ کچھ ظہور ہونا شروع ہوا +

چند روز کے بعد حضرت سلطان المشائخ رح نے امیر خسرو رح کو خرقہ خلافت عطا فرما کر ترک اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ لیکن محبت سے کبھی کبھی صرف ترک ہی سے مخاطب فرمایا کرتے تھے امیر خسرو رح فرماتے ہیں +

بر زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت	دست ترک اللہ بگیر و ہم باللہش سپار
چوں من مسکین ترا دارم ہمینم بس بود	شیخ من بس مہربان و خاقسم آمرزگار

صاحب سیر الاولیا نے اس خطاب کی نسبت امیر خسرو رح کی یہ عبارت نقل کی ہے +

بندہ را خواجہ ترک اللہ خطاب کردہ است وچندیں فرمان موشح و مزین بخط مبارک ایشاں بدیں خطاب در حق بندہ مبذول بودہ و بندہ آں را تعویذ ساختہ تا بوقت دفن برابر بندہ باشد فردائے قیامت رحمٰن بحق من بیچارہ بداں کاغذہا بخشاید انشاء اللہ تعالےٰ الکریم ۵

او بیند تو اے ازمہ کس لب بلہ منم	در راہ غمت کمینہ تر خس کہ منم

ایک مرتبہ کسی مرید نے حضرت سلطان المشائخ رح سے عرض کیا کہ جیسی عنایت

و مہربانی امیر خسرو رح کے حال پر ہے اُمیدوار ہوں کہ بندہ کے حال پر بھی مبذول فرمائی جاوے۔ آپ نے جواب دیا کہ اپنے میں ویسی قابلیت تو پیدا کر لو۔

علامۂ زماں میر غلام علی آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت امیر خسرو رح نے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی وہ نظم جو حضرت کی مدح میں لکھی تھی نظر انور سے گذرانی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کا کیا صلہ چاہتا ہے چونکہ اُس زمانہ میں ان کا میلان طبع شاعری کی طرف بہت تھا اِس وجہ سے جواب دیا کہ اپنے کلام میں شیرینی چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہماری چارپائی کے نیچے طشت میں شکر رکھی ہے اُس کو لا کر اپنے سر پر سے نثار کر اور تھوڑی اُس میں سے کھائے۔ امیر خسرو رح حضرت کا حکم بجا لائے اور شیرینی کلام کی دولت سے مالامال ہوئے۔ صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ اخیر عمر میں امیر خسرو رح اپنی اِس التجا پر بہت افسوس کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے اِس سے بہتر کوئی خواہش کیوں نہ کی۔

نفحات الانس میں عارفِ ربانی مولانا جامی رح نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ رح کے اشارہ سے امیر خسرو رح خواجہ خضر کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور خواہش لعاب دہن کی کی اُنھوں نے فرمایا کہ یہ دولت شیخ سعدی کی قسمت کی تھی۔ امیر خسرو رح نہایت شکستہ دل ہو کر حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل حال بیان کیا حضرت نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور برکت اُس کی ظاہر ہوئی۔ امیر خسرو مثنوی نہ سپہر میں خود فرماتے ہیں ؎

---

[1] اکثر تذکروں میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا رح نے امیر خسرو رح کو ہدایت فرمائی کہ بطرز صفاہانیاں بگو یعنی عشق انگیز و زلف و خال آمیز۔

من از وے لعاب زباں یافتم	ازیں گونہ آب دہاں یافتم
دو قطرہ از و در دوات افگنم	قلم در آب حیات افگنم

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے دل میں خیال گذرا کہ میرا تخلص خسرو اہلِ دول سے نسبت رکھتا ہے اگر فقرا کی طرف منسوب ہوتا تو کیا خوب ہوتا تاکہ قیامت کے دن میں اسی نام سے پکارا جاتا۔ میں نے ایک دن یہ امر حضرت سلطان المشائخ رح سے عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ قیامت کے دن مجھ کو فرشتہ خسرو کہہ کر نہ پکاریں کیونکہ یہ نام متکبر ہے حضرت نے فرمایا کہ وقتِ سعید میں تیرا تخلص رکھا جاوے گا۔ پھر چند روز کے بعد ارشاد فرمایا کہ مجھے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ صحرائے محشر میں تجھے محمد کاسہ لیس کہکر فرشتے بلاوینگے۔

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں کہ ایک دن بعد فارغ ہونے وظائف صبح کے حضرت پیر روشنضمیر نے بندہ کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے تو بھی سن۔ شب آدینہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ صدرالدین پسر شیخ بہاءالدین رح میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے ان کی تعظیم کی۔ اور انہوں نے ایسی تواضع کی کہ بیان سے باہر ہے اس کے بعد دیکھا کہ ایک ترک تو دور سے پیدا ہوا اور میرے پاس آکر بیان معرفت شروع کیا اسی وقت اذان کی آواز سنی اور میں بیدار ہوا۔ اس کے بعد زبان الہام بیان سے ارشاد فرمایا کہ دیکھ کیا مرتبہ ہے۔ میں نے نیازمندی سے عرض کیا کہ میں ایک ناچیز بندہ ہوں۔ یہ سب آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔ آپ کو یہ سنکر رونا آیا اور چلا کر روئے میں بھی اس وقت بہت رویا بعدہٗ آپ نے کلاہ خاص طلب فرماکر دستِ مبارک سے میرے سر پر رکھی اور فرمایا کہ کلمات مشائخ کو زیادہ دیکھا کرو اور یہ رباعی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائی رباعی

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست	ملکیت ملک سخن آں خسرو راست
آں خسرو مارست ناصر خسرو نیست	زیرا کہ خدا۔ ے ناصر ایں خسرو ماست

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ رح بعد نماز عشا پلنگ پر تشریف لے جاتے اُس وقت آپ کے دستِ مبارک میں تسبیح دیجاتی تھی اور اس کے بعد کوئی شخص سوائے امیر خسرو رح کے آپ کی خدمت میں نہیں جاسکتا تھا۔ امیر خسرو رح روزانہ تشریف لے جاتے اور حضرت کے روبرو بیٹھ جاتے تھے۔ جب آپ ارشاد فرماتے کہ ترک آج کیا خبر ہے اُس وقت یہ ہر قسم کی حکایتیں دن بھر کے، واقعات اور دیگر راز و نیاز کی باتیں بیان کرنا شروع کرتے۔ جب کسی مرید کو حضرت کی خدمت میں کچھ التجا کرنی منظور ہوتی تو وہ اوّل انسے کہتا اور یہ اس موقع پر حضرت کے گوش گذار کر کے اُس کی سفارش کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ ان کی خاطر سے برابر سر ہلاتے رہتے تھے اور گفتگو ختم ہونے کے بعد مناسب جواب ارشاد فرماتے تھے۔ اکثر و بیشتر انکی سفارش منظور ہوتی تھی اسی سعادت کی نسبت امیر خسرو رح فرماتے ہیں ؎

زہے سعادت و اقبال چشم آں کس را	کہ در جمال تو دستور دیدنے نظر یابد

بیت دیگر

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا	کہ دیدہ برکفِ پایت نہد بہ خواب شود

شیخ برہان الدین غریب رح جو خلیفہ اور مرید حضرت سلطان المشائخ رح کے تھے ایک دن ان کی شکایت شیخ علی زنبیلی اور ملک نصرت نے حضرت سلطان المشائخ رح سے کی کہ مولانا برہان الدین پیرہن کرا اور خرقہ پہن کر کمل بچھا کر بیٹھتے ہیں اور خلق کثیر ان کے پاس جمع ہوتی ہے۔ انھوں نے دکان

شیخی کی خوب گرم گرم تھی ہے حضرت سلطان المشائخ رح یہ حال سنکر بہت رنجیدہ ہوئے اور جب مولانا برہان الدین خانقاہ میں حاضر ہوئے تو آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اسی وقت خدام نے مولانا سے کہا کہ تم کو مناسب ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ یہ جگہ تمہارے بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔ مولانا حیران و پریشان وہاں سے اٹھکر مکان پر آئے جب پیر کی مفارقت سے نہایت بے تاب ہوئے اکثر یاروں سے سفارش کرانا چاہی مگر کسی کی ہمت سفارش کرنے کی نہ پڑی آخر امیر خسرو رح کی خدمت میں التجا سفارش کی لے گئے آپ کو رحم آیا اور دستار اپنے سر سے اتارکر ان کی گردن میں ڈالی اور اسی ہیئت سے سلطان المشائخ رح کی خدمت میں لے گئے۔ اس وقت آپ کلاہ مبارک سر پر کج رکھے ہوئے وضو کر رہے تھے امیر خسرو رح نے دیکھتے ہی یہ بیت موزوں کرکے پڑھی **بیت**

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہے

حضرت نے نظر اٹھا کر دیکھا اور مسکرا کر فرمایا کہ ترک اللہ کیا حال ہے انہوں نے کہا کہ یہ بندہ معافی جرائم مولانا برہان الدین رح کا خواہش مند ہے حضرت نے اسی وقت مولانا کا قصور معاف فرمایا اور اٹھکر دونوں سے بغلگیر ہوئے[1]۔

ایک مرتبہ سلطان علاؤالدین خلجی نے چاہا کہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جو اولیائے نامدار اور مشائخ صاحب اسرار جنت اہل بہشت سے حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ایسے مست الست تھے کہ بڑے بڑے صاحب کمال درویشوں کی ہمت بھی ان کے سامنے جانے کی نہ پڑتی تھی کچھ نذر ارسال کرے امراسے مشورہ کیا کہ کون لے کر

[1] سیر الاولیا میں اس روایت کو خفیف تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۱۲

جاوے۔ کسی کی ہمت نہ پڑی کہ قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر کلام کرے
بعد بحث و مباحثہ سب کی یہ رائے قایم ہوئی کہ امیر خسرو رح کو روانہ کیا جاوے۔
بادشاہ نے ایک امیر کو حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں روانہ کیا اور
اجازت چاہی۔ پہلے تو آپ نے تامل فرمایا لیکن پھر کچھ سوچ کر اجازت دیدی۔
اور چلتے وقت امیر خسرو رح کو نصیحت کردی کہ جو کچھ قلندر عاشق اللہ فرماویں اسکو
تسلیم کرنا اور کسی بات پر معترض نہ ہونا امیر خسرو رح نذر سلطانی لے کر دہلی سے
پانی پت روانہ ہوئے اور تیسرے دن وہاں پہنچ کر اپنے آنے کی اطلاع قلندر
صاحب کو کرائی اُنہوں نے فرمایا کہ آنے دو +

امیر خسرو رح نے نزدیک پہنچ کر سلام علیک کی۔ قلندر صاحب نے اس کے
جواب میں کوئی لفظ ہندی کا فرمایا جس کے معنی گانے والے کے ہیں۔ یہ سنکر امیر
خسرو رح نے پھر سلام کیا اور کہا کہ یہ آپ کی عنایت ہے جو میری طرف خطاب ہوا
ورنہ میں ایک ناچیز بندہ ہوں اس کے بعد قلندر صاحب نے فرمایا کہ از ہیری ہاے
خود چیزے بگو یعنی اپنی تصنیف سے کچھ کہو امیر خسرو رح نے نہایت خوش الحانی سے
اپنی وہ غزل سنائی جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے +

اے کہ گوئی ہیچ مشکل چوں فراقِ یار نیست
گر امیدِ وصل باشد ہمچناں دشوار نیست

چند گویندم بروزنار بند اے بت پرست
برتنِ خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

یہ غزل سنکر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خسرو خوب کہتا ہے۔ خوش
رہے گا۔ خوش جاوے گا۔ پھر یہ شعر خود پڑھے۔

تو ہمیں خسرواں برو عمل آشتراست	خسرو کسے کہ حلقۂ تجرید برسراست

عقل کل است علم لدنی عارفاں	ایں عقل و علم جسمے و رسمے محقرات

یہ اشعار سنکر امیر خسرو رح کو رقت پیدا ہوئی۔ قلندر صاحب نے فرمایا کہ کچھ سمجھا بھی یا ویسے ہی روتا ہے[1]۔ انہوں نے کہا کہ مجھ کو رونا اس قدر آیا کہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ یہ جواب سنکر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول فرمائی اور کہا کہ اگر مولانا نظام الدین سلطان المشائخ کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں ہرگز قبول نہ کرتا۔ اس کے بعد خدام کو حکم دیا کہ امیر خسرو رح کو خانقاہ میں اعزاز و اکرام سے رکھو۔ تین دن امیر خسرو رح نے قیام کیا اور پھر اجازت چاہی قلندر صاحب نے اجازت دی اور چلتے وقت دو خط ایک بنام حضرت سلطان المشائخ رح اور دوسرا بنام سلطان علاؤ الدین تحریر کر کے ان کے حوالہ کئے۔ علاؤ الدین خلجی کے نام جو خط تھا اس کی عبارت یہ تھی۔ علاؤ الدین فوطۂ دہلی مقرر واند کہ با بندگانِ خدائے تعالیٰ نیکو کند۔ جب دربار میں یہ خط پڑھا گیا تو بعض خوشامدی امرا نے کہا کہ بادشاہ خلیفۃ اللہ کو ایسا لکھنا ترک ادب میں داخل ہے۔ سلطان نے کہا کہ غنیمت ہے کہ اس ذرۂ بے قدر کو اس مرتبہ فوطہ دہلی تو لکھا ہے ایک مرتبہ تو شحنۂ دہلی لکھا تھا۔

شاہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک سیاح فقیر برائے طلب حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مطلب بیان کیا اتفاق سے اس وقت خانقاہ عالی میں کچھ موجود نہ تھا آپ نے فرمایا کہ ٹھہر جا جو کچھ فتوح آجائے گی وہ تجھے دونگا اس دن کچھ نہ آیا۔ پھر فرمایا کہ کل جو فتوح ہوگا وہ تیرا ہے اتفاق سے دوسرے دن بھی کچھ نہ آیا اور اسی طرح جب چار پانچ دن گذر گئے اس وقت مجبور ہو کر آپ نے اپنے کفش مبارک اس فقیر کو

[1] قلندر صاحب نے ہندی کا یہ فقرہ ارشاد فرمایا تھا "ایں روندانیہ کچھ بجھ دانیہ"

عطا فرمائے۔ اور اُس نے نہایت اعتقاد سے حضرت کے اِس عطیہ کو منظور کیا اور دہلی سے روانہ ہوا امیر خسرو رح جس زمانہ میں کہ شاہزادہ محمد سلطان خاں شہید کی مصاحبت میں ملتان رہتے تھے ہر سال اُس کے ہمراہ ایک بار دہلی آیا کرتے تھے۔ اُسی زمانہ میں دہلی آرہے تھے اتفاقیہ اُس فقیر سے راستے میں ملاقات ہوگئی۔ آپ نے اُس سے دریافت کیا کہ کہاں سے آتے ہو اُس نے کہا کہ دہلی سے آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ رح کا کچھ حال معلوم ہے اُس نے کہا کہ خیریت سے ہیں اس کے بعد اُنھوں نے دریافت کیا کہ حضرت کی کچھ نشانی تمہارے پاس ہے اُس نے کفشِ مبارک دکھائے اور کل حال بیان کیا امیر خسرو رح نے کہا کہ انکو فروخت کرو گے اُس نے اقرار کیا اُس وقت پانچ لاکھ تنگہ (روپیہ) اِن کے پاس موجود تھے جو ایک قصیدے کے صلے میں ملے تھے وہ کل اِس فقیر کو دے دئیے اور پیر کے کفشِ مبارک اُس سے لے لئے۔ جب دہلی پہنچے اُن کو سر پر رکھے ہوئے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ اے خسرو ارزاں خریدی۔ سبحان اللہ کیا عقیدت اور کیا نیاز تھا جن کے ایسے عقیدے ہوں اُنھیں اپنے مرشدِ کامل سے کیوں نہ فیض پہنچے اور کیوں نہ اُن کے پیر اُن سے خوش اور راضی رہیں +

اِسی قسم کی ہزاروں حکایات اور کلمات امیر خسرو رح کے مشہور ہیں جنھیں بخوفِ طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

آپ نے اپنی تصنیف و تالیف میں حضرت سلطان المشائخ رح کی مدح اور شان میں بہت کچھ کہا ہے جس میں سے کچھ مختصر سا نذر کا اِس مقام پر درج کیا جاتا ہے۔

قصیدہ

اے شربتِ عاشقی بہ جانت		از دوست زماں زماں پیامت

در سیر وصال ہر دو عالم
شد سلک فریداز تو منظوم
صد جان شریف پاک را چرخ
درگاہ تو قبلہ و ملائک
سوداز دگان شوق حق را

داخل بہ مسافت دوگامت
زانست کہ شد لقب نظامت
بد اختہ و نوشتہ نامت
پرّاں چو کبوتراں بہ بامت
تسکین ز مفرّح کلامت

جاوید بقاست بندہ خسرو
چوں شد بہ ہزار جاں غلامت

قطعہ

نے زابرار دیدہ کس علمش
ہر شبش زاوج عالم اسرار

نے زابدال یافتہ بدلش
صبح دولت دمیدہ در شب تار

مثنوی

در حجرہ فقر پادشاہے
شاہنشہ بے سریر و بے تاج

در عالم دل جہاں پناہے
شاہانش بخاکپائے محتاج

بیت

درا ثنائے نماز اے جاں نظر بر قامتت دارم
گر از قامت خوبت قبول افتد نماز من

دیگر

جدا از خانقاہ او بتقدیم	حطیم کعبہ را ماند بہ تعظیم
ملک کردہ بہ سقفش آشیانہ	چو اندر سقفہا گنجشک خانہ

مثنوی ہشت بہشت میں فرماتے ہیں۔

خسروا پائے نیک مرداں گیر	باسیہ نشین و پیش بمیر
بایدت تمانہ حیات درست	از خضر باید آب حیواں جست
خواہی از خاک پر سپہر خرام	خاک شو زیر پائے شیخ نظام

حضرت سلطان المشائخ رح نے بہت سے رقعے نہایت ذوق و شوق سے امیر خسرو رح کے نام تحریر فرمائے ہیں اور ان میں بہت سے نصائح فرمائے ہیں ایک رقعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

بعد از مخالطت جوارح اشتغال بامور حنفیہ شرع اجتناب نماید۔ و در مراعات اوقات ہم کوشد و عمر عزیز را کہ سبب تحصیل کل مرادات است غنیمت شمرد و روزگار را بہ بطالت مصروف نہ گرداند۔

مُرقّع الفت

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اور امیر حسن[1] رح کے عشق و محبت کا قصہ بہت دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ منقول ہے کہ آغاز شباب میں امیر خسرو رح ایک دن حضرت سلطان المشائخ رح کے ہمراہ بازار تشریف لے گئے تھے۔ امیر حسن علاء سنجری مشہور شاعر جو حسن و جمال میں بے مثال اور فضل و دانش میں کمال رکھتے تھے اور اس زمانہ میں روٹی کی دکان کیا کرتے تھے اپنی دکان پر بیٹھے ہوئے روٹیاں بیچ رہے تھے۔ جونہیں امیر خسرو رح کی نگاہ ان سے دوچار ہوئی۔ چونکہ

[1] امیر حسن علاء سنجری کا حال شعرائے عہد میں دیکھو۱۲

عشق کی حرارت سے دل ان کا گداز ہو رہا تھا فوراً ان کی شکل زیبا اور حرکاتِ موزوں کو دیکھ کر قفسِ محبت میں گرفتار ہوا۔ امیر خسرو رح نے دوکان کے قریب جا کر دریافت کیا کہ میاں روٹی کس حساب سے بیچتے ہو۔ مثل مشہور ہے کہ عشق اور مشک نہیں چھپتا اور محبت کی آنکھ فوراً پہچان لی جاتی ہے۔ امیر حسن نے امیر خسرو رح کے حال پر مطلع ہو کر ظرافت سے جواب دیا کہ میں ترازو کے ایک پلہ میں روٹی رکھ کر خریدار سے کہتا ہوں کہ زر دوسرے پلہ میں رکھ۔ جب زر اسکا روٹی کے وزن سے بہت بھاری ہو جاتا ہے اس کو لے کر خریدار کو راستہ بتلاتا ہوں۔ امیر خسرو رح نے کہا کہ اگر مشتری مفلس ہو تو اس کی کیا تدبیر ہے جواب دیا کہ اس سے زر کے عوض درد و نیاز لیتا ہوں۔ امیر خسرو رح اس حسن کلامی سے حیران رہ گئے اور حقیقت حال اپنے مرشد کامل حضرت سلطان المشائخ رح سے آکر بیان کی +

امیر خسرو رح کی سچی محبت نے بہت جلد امیر حسن کے دل میں بھی درد پیدا کر دیا انہوں نے دوکان ترک کر دی اور حضرت سلطان المشائخ رح کی خانقاہ میں امیر خسرو رح کے پاس آمد و رفت شروع کر کے اوّل سے زیادہ علوم و کمال ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور ان دونوں کے باہم ایسی محبت پیدا ہوئی کہ یک جان دو قالب کا مضمون ہو گیا۔

عشق صادق کا اگر فریاد رتبہ ہو حصول
یار کے دل میں بھلا دیکھیں اثر کیونکر نہ ہو

اس کے بعد امیر خسرو رح اور امیر حسن نے شاہزادہ محمد سلطان ابن غیاث الدین بلبن حاکم ملتان کی ملازمت اختیار کی امیر خسرو رح شاہزادے کے مصحف دار اور امیر حسن دوات دار مقرر ہوئے۔ جب شاہزادہ ملتان سے دہلی آتا دونوں عزیز

شاہزادہ کی خدمت سے فارغ ہو کر اکثر اوقات حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت بابرکت میں حاضر رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی عاشقی اور معشوقی کا اِس قدر شہرہ ہوا کہ اہلِ غرض نے شاہزادہ کے گوش گذار کیا کہ تمام خلق امیر خسرو رح اور امیر حسن رح کو اہلِ ملامت سے جانتی ہے یہ ہرگز شاہزادہ کے قرب خدمت کے قابل نہیں ہیں۔ انہیں دنوں میں امیر خسرو رح نے ایک غزل میں یہ اشعار موزوں کئے تھے ؎

دوستانِ من ہوس دارم بنالیدن ولیک	درد چوں در سینہ باشد نالہ زار آورد
صد گلہ دارم ولے چوں باشد آں دور نظر	کیست کاں ساعت زبانم را بگفتار آورد
زیں دلِ خودکام کارِ من برسوائی کشید	خسروا فرمان دل بردن بسے بار آورد

شاہزادہ نے مصلحتاً امیر حسن کو امیر خسرو رح کی مصاحبت اور اختلاط سے ممانعت کر دی لیکن چونکہ رشتۂ محبت ان کے درمیان میں مضبوط تھا ممانعت نے کچھ فائدہ نہ بخشا اور اہلِ غرض نے پھر یہ حال شاہزادے سے عرض کیا۔ اِس مرتبہ شاہزادے نے غصہ میں آکر چند تازیانہ امیر حسن کے ہاتھ پر مارے۔ مثل مشہور ہے۔ ملامت صیقلِ زنگارِ عشق است۔ امیر حسن تازیانہ کھا کر اُسی وقت امیر خسرو رح کے مکان پر پہنچے۔ شاہزادے کو بھی اُسی وقت یہ حال معلوم ہو گیا متعجب ہو کر ایک مصاحب سے کہ جو حقیقتِ حال سے مطلع تھا فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی محبت مجازی زیورِ حقیقت سے آراستہ اور انکا جمال حال پردۂ عفت وصلاح سے پیراستہ ہے۔ اُسی وقت شاہزادے نے امیر خسرو رح کو طلب فرما کر اُن سے دریافت کیا کہ محبت تمہاری آمیزش ہوا سے پاک ہے یا نہیں۔ امیر خسرو رح نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان سے دوئی کوچ کر گئی ہے شاہزادے نے کہا کہ اِس کا ثبوت کیا ہے۔ یہاں بقول شخصے

خوں رگِ مجنوں سے ٹپکا فصدِ لیلیٰ نے جو لی
عشق میں تاثیر ہے پر جذبِ کامل چاہیے

جذب کمال درجہ پر پہنچ چکا تھا فوراً ہاتھ آستین سے نکال کر فرمایا ؎

گواہِ عاشقِ صادق در آستیں باشد

شاہزادے نے دیکھا کہ نشان تازیانہ کا جس مقام پر امیر حسن کے ہاتھ میں لگا تھا اسی مقام پر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر موجود ہے۔ نہایت تعجب سے سکوت اختیار کیا امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت یہ رباعی پڑھی رباعی

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست
تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست
اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت
نامیست مرا ز من و باقی ہمہ اوست

اس وقت نسیم عالم تحقیق ان کے باغ امید پر چلی۔ عالم و مافیہا ان کی نظر عبرت میں ایک خس دکھائی دیا۔ شاہزادے کی ملازمت سے استعفا پیش کیا۔ لیکن شاہزادے نے نہایت اصرار اور خوشامد سے ان کو اس ارادے سے باز رکھا[1]؂

ممکن ہے کہ اکثر کج فہم جو لذات نفسانی اور بہائمی کے پورا کرنے کو عشقبازی سمجھتے ہیں اس روایت کو دیکھ کر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ پر امرد پرستی کا الزام لگا دیں لیکن درحقیقت یہ بات نہیں ہے۔ عشق مجازی عشق حقیقی کا پہلا زینہ ہے عاشق صادق اپنے معشوق کی صفات کا عاشق ہوتا ہے نہ کہ اسکی ذات کا۔ پردہ حسن و جمال میں قدرت الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ اس وجہ سے اکثر صوفیانِ صافی دل معشوق حقیقی کے جلوے کو معشوقِ مجازی کے حسن میں دیکھا کرتے ہیں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ قطعہ

نظر بنیکوان از عیب مسعود
نہ بیں بدعت من آوردم بہ عالم

[1] تاریخ فرشتہ ؂

حدیث عشق اگر گوئی گناہ است — گناہ اوّل ز حوا بود و آدم
اگر دعوے کنی پرہیزگاری — مسلّم دارست واللہ اعلم
وگر گوئی کہ میل خاطرم نیست — من ایں دعوے نمیدارم مسلّم

اور چونکہ بہ نسبت عورت کے عشق کے امرد کے عشق میں گنہ گاری کا کم خدشہ ہوتا ہے اِس وجہ سے اکثر صاحب دل امردوں کے عشق و محبت میں گرفتار پائے جاتے ہیں۔ عشق کی نسبت حضرت امیر خسرو رح فرماتے ہیں۔

زندہ نہ آنست کہ جانے در وست — اوست کہ از عشق نشانے در وست
چند بری عشق ببازی لب — عشق دگر باشد و بازی دگر
مرد کہ در عشق ز جاں مرد نیست — گر صف کافر شکند مرد نیست
زندہ دلاں خوش زغم دل شوند — جانوراں پاک بہ بسمل شوند
پاک روانے کہ بہ آگاہی اند — کشتۂ حق چوں ملخ و ماہی اند
روئے نکو راحتِ نظارگی ست — بر دل عاشق غم و آوارگی ست
آنکہ تو بینی رخ زیبائے شمع — شورش پروانہ شد و زیب جمع
صورتِ شاہد اجل معنوی است — خیل سلاسل زغم جادوئی ست
دل شدگاں را رخ زیبا گل است — مستیِ بلبل نہ زگل کز گل است
گر نبود دیدۂ شہوت گرائے — چیست بہ از دیدن صنع خدائے
دیدن خوبانست بشہوت وبال — قند چو مے گشت نباشد حلال
گر نگری پاک رخ لالہ فام — نیست گل لالہ بہ دیدن حرام
آنکہ ز حق پاک نگے چشمش عطا است — منع ز رخسار نباشدش خطا است
دیدہ کہ در روئے نظر پاک نیست — سترِ آں دیدہ بجز خاک نیست
دیدہ نباشد کہ نظر نیستش — کور چہ بیند کہ نظر نیستش

دیدۂ بادام کہ بے نور زیست	از گلِ بادام چہ آگہ کہ چیست

باب سوم

امرائے شاہی اور سلاطین عہد کی ملازمت اور مصاحبت اور دیگر حالات

جب امیر خسرو رح کے کمالاتِ شاعری اور فضیلت علمی کا عالمگیر شہرہ ہوا تو شہزادہ محمد سلطان خاں شہید کے دربار میں بھی اِن کے علم و فضل اور کمالاتِ شاعری کا مذکور ہونے لگا شاہزادہ نے طلب فرمایا اور نظر جوہر شناس سے دیکھ کر اپنی مصاحبت کا افتخار بخشا اور خدمت مصحف داری پر مامور فرمایا اور امیر خسرو رح نے بھی اِس مقولہ پر عمل کر کے اِس خدمت کو منظور کر لیا۔

مراد اہلِ طریقت لباسِ ظاہر نیست
کمر بخدمتِ سلطان ببند و صوفی باش

شاہزادہ محمد سلطان سلطان غیاث الدینؒ بلبن کا بڑا بیٹا اور ولیعہدِ سلطنت مکارم

لہ سلطان غیاث الدین بلبن جمادی الاول ۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء میں تخت نشین ہوا اور ۶۸۵ھ ۱۲۸۶ء میں اکیس برس اور چند مہینے سلطنت کر کے اسّی برس کی عمر میں اِس دارِ ناپائدار سے سدھارا۔ یہ شاہ فرخندہ آثار اور بادشاہ معدلت شعار اوصاف حمیدہ اور خصائلِ پسندیدہ سے آراستہ و پیراستہ تھا اُس کا زمانہ خیر القرون سے تھا۔ کارہائے سلطنت کو سنجیدگی اور فہمیدگی سے انجام دیتا تھا۔ اور سوائے اکابر اور مردم دانا کے کسی کے سپرد نہ کرتا اور اراذل کو کارہائے سلطنت میں دخل نہ دیتا تھا اور جب

خلاق اور محاسن اوصاف سے موصوف اور فضیلت و دانش علم و ہنر میں اپنا ثانی نہ
رکھتا تھا اُس کی درگاہِ عالی درگاہ محمودی اور سنجری پر ترجیح رکھتی تھی شاعران

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۴۶) تک دیانت اور صلاح و تقوے کسی شخص کا تشخص نہ کرلیتا کوئی شغل اور
عمل نہ فرماتا اور نسب کی تصحیح میں مبالغہ بلیغ اور تفحص کثیر کرتا اور جو شغل اور عمل سپرد کرنے کے
بعد کسی میں نقص ذاتی اور صفاتی کا گمان ہوتا تو اُسے فوراً معزول کرتا تھا اُس نے اپنے
تمام ایامِ سلطنت میں مسخروں اور اربابِ نشاط کو کبھی منہ نہیں لگایا اُس کے عہدِ دولت میں
سلطنتِ دہلی کو وہ شان و شوکت حاصل ہوئی کہ سلاطینِ عراق اور خراسان اور ماوراءالنہر
وغیرہ اُس کی دوستی کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ چنگیز خانی مغلوں کے ظلم و ستم سے جو بادشاہ اور
شاہزادے وسطِ ایشیا سے اس کے عہدِ سلطنت میں ہندوستان تشریف لے آئے
تھے وہ اِس کے عالیشان دربار میں فرشِ عزت اور سرداری پر متمکن ہو کر نہایت ذوق و
شوق سے تخت کے روبرو دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف دو شاہزادے جو خلفاے
عباسیہ کے اولاد میں سے تھے اُن کو پایۂ تخت پر بیٹھنے کی عزت حاصل تھی۔ جس وقت بادشاہ
اور شاہزادے یا بزرگانِ وقت اُس کے عہد میں یہاں وارد ہوتے۔ سلطان اظہارِ بشاشت
کر کے شکرِ الٰہی بجالاتا تھا اور ہر ایک شاہزادہ کے واسطے علیحدہ محلہ مقرر کرتا تھا۔ اُس کے عہد
میں یہ پندرہ محلّے جدید دہلی میں آباد ہوئے تھے۔ محلہ عباسی[1]۔ سنجری[2]۔ خوارزم شاہی[3]۔ دیلمی[4]۔
علوی[5]۔ اتابکی[6]۔ غوری[7]۔ چنگیزی[8]۔ رومی[9]۔ سنقری[10]۔ یمنی[11]۔ موصلی[12]۔ سمرقندی[13]۔ کاشغری[14]۔ خطائی[15]
سلطان کے عدل و انصاف کی نسبت مؤرخوں نے بہت سی حکایتیں تحریر کی ہیں جن میں سے
دو یہاں درج کی جاتی ہیں +
ملک تعیق ابن جاندار نے جو امرائے بزرگ سے تھا اور چار ہزار سوار خاصہ کے رکھتا تھا اُس
ولایت بدایوں اُس کی جاگیر میں تھی بدمستی کی حالت میں ایک غریب فراش کے اس قدر
دُرّے مارے کہ وہ مرگیا۔ چند دنوں کے بعد جب بادشاہ بدایوں کے دورے پر گیا فراش کی

فراست آئین اور فاضلانِ سعادت قرین اور علمائے دین اور مشائخ طریقت اُسکی مجلس ہمایوں میں ہمیشہ جمع رہتے اور اُس کی حاتمی بذل و احسان اور گلزار سخاوت کی صبا سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ ایسا مہذب اور موّدب تھا کہ مجلس مُرباں وہی ہیں اگر تمام دن و رات اجلاس کرتا تو بھی اپنا زانو بلند نہ کرتا تھا اور قسم اُس کی لفظ حقّا کے سوا نہ تھی۔ اُس کی مجلس عالی میں ہمیشہ شاہنامہ اور دیوانِ خاقانی و انوری اور خمسہ مولانا نظامی اور اشعار امیر خسرو رح پڑھے جاتے تھے۔ اربابِ فہم و دانش اُس کی شعر فہمی کے مقر تھے۔ امیر خسرو رح سے منقول ہے کہ میں نے جدتِ طبع اور دریافتِ معنی دقیق اور سخن شناسی اور یادداشتِ اشعار متقدمین و متاخرین میں کسی کو مثل محمد سلطان کے نہیں دیکھا۔ بیس ہزار بیت کی ایک بیاض کتب متقدمین سے انتخاب کر کے بہت خوش خط لکھی تھی امیر خسرو رح اور امیر حسن رح اِن اشعار پسندیدہ سے محظوظ ہوئے اور شاہزادے کی شعر فہمی اور ادراکِ بلند کی مدح و ثنا کی۔ شاہزادے کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷) بیوی دربار عام میں آکر فریادی ہوئی۔ بادشاہ نے بعد ثبوت جرم ملک تعلق کے اُس ستم رسیدہ کے روبرو اس قدر دُرّے لگوائے کہ اُس کے شوہر سے جا ملا +

اسی طرح اُس کے ایک غلام صاحب اعتبار نے جس کا نام ہیبت خان اور او دھ کا جاگیردار تھا ایک شخص کو حالتِ مستی میں مار ڈالا اُس کی زوجہ دربارِ سلطانی میں دادخواہ ہوئی سلطان نے ہیبت خاں کو پانچ سو دُرّے مار کر اُس عورت کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ یہ آج تک میرا غلام تھا اب تیرا مملوک ہے۔ تجھے اس کے قتل یا رہائی کا اختیار ہے۔۔

ہیبت خاں نے ایک جماعت کے ذریعے سے بعد تضرع و زاری مبلغ ایک لاکھ روپیہ اُس ضعیفہ کو دے کر آزادی حاصل کی اور اس حادثہ کے بعد مرتے وقت تک غیرت کے مارے باہر نہ نکلا +

بامدار کو عطا فرمائی اور اُن سے امیر خسرو رح کو ملی۔ تمام شعرا نے اس بیاض کو دیکھ کر اُسکے منتخب اشعار اپنی اپنی بیاضوں میں نقل کئے تھے ؎

امیر خسرو رح کے ہمراہ امیر حسن رح بھی شاہزادے کی ملازمت میں داخل ہوئے اور ان دونوں صاحب کمالوں نے اپنی شگفتہ بیانی اور عقل و دانش۔ فہم و فراست کی بدولت شاہزادے کے مزاج میں ایسا دخل پایا کہ خلوت و جلوت مقام و سفر کسی حالت میں اُس کو ان کی جدائی گوارا نہ تھی اگرچہ کمال کی قدردانی اور سخاوت اِس صاحب کمال جوہری کی عام تھی مگر جو عزّت و منزلت امیر خسرو رح اور امیر حسن رح کی تھی وہ کسی دوسرے مصاحب کی نہ تھی ؎

شاہزادہ محمد سلطان ملتان کا حاکم تھا امیر خسرو رح اور امیر حسن رح اور دیگر صاحب کمال شعرا اور علما اور فضلا کی وجہ سے اُن دنوں خطۂ ملتان رشکِ گلستان ارم ہو رہا تھا۔ شاہزادے نے دو مرتبہ اپنے مقربوں کو بہت سا روپیہ اور نادر و نایاب تحفہ دیکر شیراز میں حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کیا اور امیر خسرو رح کے اشعار بھی شیخ کے ملاحظہ کے واسطے روانہ کرکے نہایت ادب سے التماس قدوم میمنت لزوم کی فرمائی اور ارادہ کیا کہ ملتان میں حضرت شیخ کے واسطے ایک خانقاہ طیار کرا کر کچھ دیہات اُس کے اخراجات کے واسطے وقف کرے مگر دونوں مرتبہ حضرت شیخ نے ضعف پیری کا عذر تحریر کیا اور ہر بار اپنے ہاتھ سے اپنے کلام کی بیاض مرتب کرکے شاہزادے کے پاس روانہ کی اور امیر خسرو رح کے کلام کی بہت تعریف لکھ کر اُن کے ہم صحبت ہونے کی مبارکباد دی اور لکھا کہ اس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہئے ؎

شیخ آذری نے کتاب جواہر الاسرار اور حاجی لطف علی خاں نے آتشکدہ میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رح عین پیرانہ سالی میں شیراز سے

امیر خسرو رح کی ملاقات کو آخری مرتبہ ہندوستان میں تشریف لائے تھے اور ایک دوسرے کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اور شیخ سعدی شعر میں حق استادی امیر خسرو رح پر ظاہر کرتے تھے۔ بعض مؤرخین نے اِس روایت کو محض اِس شک پر کمزور خیال کیا ہے کہ جس وقت ہندوستان اور ایران میں امیر خسرو رح کی شہرت ہوئی۔ اُس وقت شیخ کا عالم ضعیفی تھا اور یقین نہیں آتا کہ اس عمر میں شیخ نے اِس قدر دور و دراز سفر محض ایک نوجوان کے دیکھنے کی خاطر اختیار کیا ہو ٭

امیر خسرو رح کی دلی ارادت اور اعتقاد کا حال جو شیخ سعدی رح کی نسبت تھا اُن کی اِس بیت سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے **بیت**

خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت
شیرہ از خمخانۂ سعدی کہ در شیراز بود

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ع

جلدِ سخنم دارد شیرازۂ شیرازی

امیر خسرو رح اور امیر حسن رح پانچ برس تک ملتان میں شاہزادہ محمد سلطان کی مصاحبت میں رہے۔ ۶۸۳ھ میں دفعتاً فلک شعبدہ باز نے ایک نیا رنگ بدلا۔ تیمور یا تیمر نامی مغل نے کہ امرائے عظیم الشان چنگیز خانی سے تھا دریائے راوی کو عبور کر کے لاہور کے قریب فساد برپا کیا حاکم لاہور نے شاہزادہ محمد سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع بذریعہ عرضداشت کے دی اُس نے اپنے دربار میں تیئیس ہزار فوج کو تین ہزار پڑھا اور نہایت سامان سے کوچ کرتا ہوا لاہور کے قریب دریائے راوی کے کنارے پر آ پہنچا یہاں مغلوں سے مقابلہ ہوا اور لڑائی کے بعد تیمور مغل شکست کھا کر بھاگا۔ امرائے ہند نے مفروروں کا تعاقب کیا چونکہ شاہزادے نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی جلدی سے مع پانچ سو غازیوں کے دریا کے کنارے ایک مقام پر نماز میں مشغول

ہوا اسی عرصے میں ایک مغل سردار نے کہ جس کے ہمراہ دو ہزار سوار تھے شاہزادے پر حملہ کیا۔ شاہزادے نے نماز سے فارغ ہو کر ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کئی بار حملہ کر کے بہت سے مغلوں کو قتل اور پسپا کیا۔ قریب تھا کہ مظفر و کامیاب ہو کہ ناگاہ ایک تیر شست قضا سے چھوٹ کر شاہزادے پر آیا اور فوراً طائرِ مرغِ روح قفسِ عنصری سے بجانب روضۂ قدس پرواز کر گیا مغل شاہزادے کے بہت سے ساتھیوں کو قید کر کے اور جو کچھ سامان ہاتھ لگا اُسے لے کر سپاہِ ہند کے اجماع کے خوف سے بھاگ گئے۔ امیر خسرو رح بھی اس لڑائی میں شاہزادے کے ساتھ موجود تھے انہیں ایک مغل کے نوکر نے قید کر لیا اور جھول اور توبرا ان کے سر پر رکھوایا امیر خسرو رح نے اس مضمون کو نظم کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

توبرہ بر نہادہ و گفتا جل	مکر بر سر نے نہادم گل

مغل امیر خسرو کو قید کر کے ہرات و بلخ لے گئے جہاں سے دو برس بعد رہائی حاصل ہوئی اور اُفتاں و خیزاں پٹیالی پہنچے۔ ماں اس وقت زندہ موجود تھیں اُنکا بیٹے کے فراق میں بُرا حال تھا۔ بیٹے کی صورت دیکھ کر باغ باغ ہو گئیں امیر خسرو لکھتے ہیں۔ زیر قدم مادر بہشتی شدم او را از خود حالی کہ چشمہا برمن افتاد جوئے شیر از اشتیاق رواں شد ؎

دو جوئے شیر از دہن رواں نشان بہشت	بہشت زیرِ قدم ہائے مادر است مدام

چند روز پٹیالی میں قیام کر کے امیر خسرو رح دہلی پہنچے۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے وہ دو پُر درد قصیدے جو شاہزادے کے مرثیے میں لکھے تھے اس رقت سے پڑھے کہ تمام دربار میں سناٹا چھا گیا اور ہر کس و ناکس دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ سلطان غیاث الدین اس قدر رویا کہ بخار آ گیا اور ایسا بخار آیا کہ اسی صدمہ اور بخار سے تیسرے ہی دن انتقال کیا۔ مہینوں دہلی کے لوگ ان مرثیوں کو

رات دن پڑھتے اور اپنے عزیزوں کی یاد میں جو اس لڑائی میں شہید ہوئے تھے روتے تھے۔ یہ پُر درد مرثیے دیوان غرۃ الکمال میں موجود ہیں اور منتخب التواریخ بدایونی میں بھی نقل کئے گئے ہیں۔ ایک ترکیب بند کے چند شعر یہ ہیں ؎

واقعہ ہست ایں یا بلا از آسماں آمد پدید
آفت است ایں یا قیامت در جہاں آمد پدید

راہ در بنیادِ عالم داد سیلِ فتنہ را
رخنۂ کامسال در ہندوستاں آمد پدید

مجلسِ یاراں پریشاں شد چو برگِ گل ز باد
برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

بسکہ آبِ چشم خلقے شد رواں در چار سوئے
تیغ آبِ دیگر اندر بوستاں آمد پدید

خواستم تا ز آتشِ دل بر زباں آرم سخن
صد زبانِ آتشینم در دہاں آمد پدید

امیر حسن رح نے بھی اس حادثۂ جانکاہ کا ایک مرثیہ نثر میں لکھ کر ملتان سے دہلی بھیجا تھا جو کتاب منتخب التواریخ میں درج ہے ؎

اس کے بعد امیر علی میر جامدار نے جو سلطان غیاث الدین بلبن کا مولےٰ زادہ اور امرائے عظیم الشان سے تھا اور قابلیت و علمیت کے ساتھ بذل و کرم حسن اخلاق اور دیگر صفات حمیدہ سے موصوف اور بوجہ اپنی سخاوت کے عام و خاص میں حاتم خاں کے نام سے مشہور تھا امیر خسرو رح کو نہایت اعزاز و اکرام سے اپنی ملازمت میں لے کر مصاحبت میں رکھا۔ امیر خسرو رح نے اپنے دیوان میں امیر موصوف کی بہت تعریف و توصیف کی ہے اور اسپ نامہ اسی کے نام پر لکھا ہے جس کی دو تین بیتیں یہ ہیں ؎

شاہ عہد اختیار و دولت و دیں
آفتابِ شرف بہ خانۂ زیں

ہم علی نام ہم بہ شیر ولی
شیر دُلدُل سوار ہمچو علی

عالمے چوں عثمان بجنبانی
بسترِ تازیانہ بستانی

ؐ منتخب التواریخ۔ فرشتہ۔ خزانۂ عامرہ وغیرہ ۱۲

سلطان معز الدین کیقباد نے اپنے باپ بغرا خاں ناصر الدین کی ملاقات کے

سلطان معز الدین کیقباد ناصر الدین بغرا خاں کا بیٹا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا بعد وفات غیاث الدین بلبن کے امراء اور اعیان سلطنت نے اس کی وصیت کے خلاف بجائے شاہزادہ کیخسرو پسر محمد سلطان ولیعہد سلطنت کے اس کو اٹھارہ برس کی عمر میں تخت نشین کیا۔ اس نے تخت نشین ہو کر عیش و عشرت پر کمر باندھی اور خلاف عہد سلطان غیاث الدین بھانڈوں اور مسخروں اور ارباب نشاط کا جمگھٹ دربار میں ہونے لگا۔ جب امورات سلطنت سے بادشاہ نے لاپرواہی اختیار کی تو ملک نظام الدین وزیر کو اپنی بادشاہی کی سوجھی اور اس کے جوڑ توڑ میں مصروف ہوا اول بادشاہ کو بہکا کر شاہزادہ کیخسرو کو قتل کروا ڈالا اس کے بعد شاہی خاندان کے دوسرے شاہزادوں اور دیگر امرا کے استیصال میں مصروف ہوا۔ جب کیقباد کے باپ بغرا خاں ناصر الدین نے جو بنگالے کا صوبہ دار تھا دربار کا یہ حال سنا تو بیٹے کو نصیحت آمیز خطوط تحریر کئے مگر کیقباد نے غرور جوانی اور عیش و عشرت میں باپ کی ایک بھی نہ سنی۔ مجبور ہو کر ناصر الدین بغرا خاں لکھنوتی (صدر مقام بنگالہ) سے مع فوج کے دہلی روانہ ہوا ادھر سے بادشاہ بھی فوج لے کر باپ سے لڑنے کو دہلی سے روانہ ہوا دریا سرو کے کنارے دونوں لشکر اکٹھے ہوئے اس وقت غیاث الدین بلبن کے عہد کے امرا نے درمیان میں پڑ کر باپ بیٹے میں صلح کرا دی اور دونوں ایک دوسرے سے ملے۔ اخیر ملاقات میں باپ نے بیٹے کو طرح طرح کی نصیحتیں کیں اور وہاں سے رخصت ہو کر لکھنوتی کو واپس گیا بادشاہ دو چار دن باپ کی نصیحتوں کا پابند رہا لیکن خوب صورت معشوقوں اور پری وش مطربوں نے طرح طرح کے کرشموں سے بادشاہ کی توبہ کے ہزاروں ٹکڑے کر ڈالے اور وہ پھر اسی لہو و لعب میں مشغول ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۶۸۶ھ یا ۶۸۷ھ (۱۲۸۸ء یا ۱۲۸۹ء) میں اس کو فالج کا عارضہ ہو گیا اس سبب سے بعض امراء نے اس کے بیٹے کیومرث کو شمس الدین کے نام سے تخت پر بٹھایا مگر امراء خلج نے مخالفت کر کے کیومرث اور کیقباد دونوں کا کام تمام کر دیا اور اسی کے ساتھ ترکوں کی سلطنت کا جو خاندان غور کے غلام ہونے کی وجہ سے خاندان غلاماں کے نام سے موسوم ہے خاتمہ ہو گیا اور امراء خلجی نے ملک جلال الدین خلجی کو تخت نشین کیا۔

بعد امیر علی جامدار کو اودھ کی صوبہ داری پر مقرر فرمایا امیر خسرو رح بھی امیر علی کے ہمراہ شاہی لشکر میں موجود تھے یہ بھی ان کے ہمراہ اودھ گئے اور دو برس تک وہاں مقیم رہے امیر خسرو کی والدہ اور گھر کے سب لوگ دہلی میں تھے۔ جب انکو دہلی سے گئے ہوئے دو برس کا عرصہ گذر گیا مادرِ مشفقہ نے شفقتِ مادری سے بیتاب ہو کر کئی خط انکی طلبی میں روانہ کئے سچ تو یہ ہے کہ احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اس کے اثر سے بچنا ناممکن ہے امیر علی کی بے انتہا عنایت اور احسان نے امیر خسرو رح کے دل پر ایسا اثر پیدا کیا تھا کہ حرف رخصت زبان پر نہ لاسکتے تھے۔ جب ماں کے کئی خط آئے اور محبت مادری کی کشش تقاضا طلبی، نے ان کے دل پر بے انتہا اثر پیدا کیا اس وقت ایک دن رکتے رکتے امیر علی سے یہ حال بیان کیا۔ اس دریادل نے دو کشتی زر و جواہر عطا فرما کر نہایت اعزاز واکرام سے انہیں دہلی روانہ کیا امیر خسرو رح نے ایک مہینے میں اودھ سے دہلی کا راستہ طے کیا اور ماہ ذیقعدہ ۶۸۶ھ مطابق ۱۲۸۷ء میں دہلی پہنچ کر اپنی مادر مشفقہ کی قدمبوسی اور دیگر احباب کی ملاقات سے خرسندی حاصل کی*

امیر خسرو رح کے آتے ہی تمام شہر دہلی میں دھوم مچ گئی۔ دوستانہ جلسے اور شعر وسخن کے چرچے شروع ہوگئے۔ دوسرے ہی دن دربار کیقبادی میں ان کے تشریف لانے کا مذکور ہوا بادشاہ نے فوراً چوبدار کو دوڑایا انہوں نے حاضر ہو کر قصیدہ بادشاہ کی مدح میں سنایا۔ بادشاہ نے اس کے صلے میں خلعت اور دو ہزار دینار مرحمت فرمائے اور روزانہ مقرر کردیا۔ امیر خسرو رح نے جو قصیدہ اس موقعہ پر سنایا تھا اس میں اکیس شعر ہیں اور ہر شعر سے کمالِ شاعری اور بلند خیالی ظاہر ہوتی ہے۔ چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

منت ایزد را کہ شہ بر تختِ سلطانی نشست	در دماغ مملکت بادِ سلیمانی نشست
شہ معز الدین والدنیا کہ از دیوانِ غیب	نام او بر نامۂ دولت بہ عنوانی نشست

کیقباد آں گوہرِ تاج کیاں کز جنسِ تیغ	تاج از ایراں بستد و بر تختِ تورانی نشست
ابرِ نیساں کز کرم آوازہ در عالم فگند	آں ہمہ آوازہ ہائے ابرِ نیسانی نشست
دید قصرِ شاہ را با برج جوزا ہم کمر	بندہ خسرو چوں عطارد در ثنا خوانی نشست
چشمِ تو بیدار و دولت باد تا از عونِ بخت	جملہ بیداراں بخسپند و تو بتوانی نشست

معز الدین کیقباد نے امیر خسرو رح سے فرمایا کہ اے ختم سخن پروراں میرے اور پدر مہربان کی ملاقات کے واقعات کو اپنی معجز بیانی سے پیکرِ نظم کے قالب میں ڈھال کر کلمات سحر آمیز سے حیات جاوید کا لباس پہنا۔ امیر خسرو رح نے چھ مہینے کے عرصہ یعنی رمضان ۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء میں اس قالبِ بے جان کو اپنے سحر شاعری سے نظم کی روح پھونک کر پری پیکر بنایا اور قران السعدین کے خوشنما بلکہ قابلِ رشک نام سے موسوم کیا +

۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء یا ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء میں آفتاب اقبال کیقبادی غروب ہو کر دربار فیروزی (جلال الدین فیروز شاہ خلجی) کا ستارہ طلوع ہوا۔ جلال الدین فیروز شاہ[1] اس سے پہلے میر جامداری

---

[1] جلال الدین فیروز شاہ کا اصلی نام ملک فیروز اور شایستہ خاں خطاب تھا۔ ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء میں ستر برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ حلیم و کریم اور طبع موزوں رکھتا تھا اور صفت قدر شناسی اور راستی اور عدل و انصاف سے موصوف تھا۔ اس نے اپنے تمام ایام سلطنت میں سوا ئے وقوعہ سید مولیٰ کبھی کسی ضعیف کو بھی نہیں ستایا جن لوگوں نے اس کے عہد میں بغاوت کی اور اس کے سامنے گرفتار ہو کر آئے انہیں بھی باوجود امرائے سلطنت کی بے حد مخالفت کے کوئی ضرر نہیں پہنچایا اور ان سے نہایت اخلاق و تواضع سے پیش آیا۔ بہت سے علماء فضلا اور دیگر صاحب کمال اس کے انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ اس کے بھتیجے اور داماد علاء الدین نے جو کڑہ کا حاکم تھا اس کے بغیر اجازت نہایت دور و دراز راستہ طے کر کے دکن میں دیوگڈھ (دولت آباد) پر چھاپا جا مارا اور جب وہاں سے بہت سا قیمتی مال لے کر واپس آیا تو بادشاہی کی ہوس پیدا ہوئی اور بادشاہ

کے معزز عہدہ پر مامور تھا اور اُسی وقت سے امیر خسرو رح کی مصاحبت کا فخر اُسے حاصل تھا۔ جب اقبال نے یاوری کی اور میر جامداری سے بساط شاہی پر قدم رکھا امیر خسرو رح کو نوازشات شاہی سے ممنون فرما کر اپنے تمام مقربوں کا سردار کیا اور شغل مصحف داری اور منصبِ امارت کا اختصاص بخشا اور بارہ سو ٹنکہ[۱] انکی تنخواہ مقرر فرمائی۔

امیر خسرو رح کو بادشاہ کے بیٹے اختیار الدین خانخاناں سے بہت محبت تھی اُس کی وفات سے اُنہیں بہت قلق ہوا اور اُنہوں نے اُس کا یہ پُر درد مرثیہ لکھا ہے ؎

کو دھوکا دے کر کرگڑہ بلایا ملک احمد چپ نے جو بڑا عقلمند اور تجربہ کار اور خیر خواہ وزیر تھا۔ بادشاہ کو ہر چند سمجھایا مگر بادشاہ کچھ نہ سمجھا اور یہی کہتا رہا کہ علاؤالدین میرا ہی نمک پروردہ ہے اور میں نے ہی اُس کو اس مرتبہ پر پہنچایا ہے وہ میرے ساتھ کبھی بُرائی نہیں کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۔رمضان ۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء کو علاؤالدین نے اپنے ولی نعمت اور چچا جلال الدین کو نہایت دھوکے اور کمینہ پن سے قتل کرا دیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جو جو شخص قتل بادشاہ جلال الدین میں شریک تھے وہ تھوڑے ہی عرصے میں بلائے عظیم میں مبتلا ہو کر جہنم کو سدھارے از انجملہ محمود سالم (قاتل جلال الدین) کو ایک سال کے بعد جذام ہو گیا اور خون فاسد سے اُس کے بدن کا تمام گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اختیار الدین دیوانہ ہو گیا اور حالتِ نزع میں چلاتا تھا کہ سلطان جلال الدین تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے میرا سر کاٹ رہا ہے۔ اسی طرح اور لوگ بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہوئے +

[۱] اُس وقت میں ٹنکہ ایک تولہ سونا یا چاندی کا مسکوک ہوتا تھا اور ہر ٹنکہ چاندی کے پچاس پیسہ تانبے کے ہوتے تھے جن کو جیتل کہتے تھے۔ جیتل کا وزن ایک تولہ یا پونے دو تولہ کا ہوتا تھا +

چہ روز است اینکہ من خورشید تاباں را نمے بینم	دگر شب شد چرا ماہِ درخشاں را نمی بینم
دو روزے ہست کا مذ ابر ماندہ آفتابِ من	کہ اندر چشمہا جز ابر و باراں را نمی بینم
ہندوستاں خطائے گشت پیدا و ہر سو ہے	ہمے بینم ہزاراں چین و خاقاں را نمی بینم
نگین خاتمِ شاہی بکانِ سنگ پنہاں شد	دلم چوں لعل خوں شد زاں سبب کاں را نمی بینم
شد اینک بر سر تخت و بزرگاں صف زدہ ہر سو	ہمہ ہستند لیکن خانخاناں را نمی بینم
چو دولت کور دیدم گفتمش خواہی بسر او فتاد	چہ خواہم کرد چوں محمود سلطاں را نمی بینم

منقول ہے کہ سلطان جلال الدین نے اپنے عہد سلطنت میں کئی مرتبہ حضرت سلطان المشائخ رح سے خانقاہ معلےٰ میں حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے ہر مرتبہ بادشاہ کو اِس ارادے سے باز رکھا اور اجازت نہ دی۔ ایک دن بادشاہ نے امیر خسرو رح سے بیان کیا کہ حضرت تو اجازت حاضری کی نہیں دیتے اور مجھے حصول قدمبوسی کا از حد اشتیاق ہے میرا ارادہ ہے کہ بلا اجازت خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کروں۔ اِس کے بعد اِن کو منع کر دیا کہ اِس راز کو حضرت سے نہ بیان کرنا۔ اب امیر خسرو رح سخت پریشان ہوئے کیونکہ اگر بادشاہ کا راز حضرت سے بیان کرتے ہیں تو جان کا خوف ہے اور اگر نہیں بیان کرتے ہیں تو حضرت کی ناراضگی کا خیال ہے آخر کار انہوں نے جان پر کھیل کر یہ راز حضرت سلطان المشائخ رح سے بیان کر دیا۔ آپ اُسی وقت اجودھن (پاک پٹن) اپنے پیر حضرت فرید الدین شکر گنج قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ صبح کو بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا۔ قیافہ سے معلوم کیا کہ امیر خسرو رح نے راز افشا کر دیا اور اِسی وجہ سے حضرت کنارہ کر گئے۔ اِنہیں بلا کر دریافت کیا انہوں نے سچ سچ حال بیان کر دیا اور کہا کہ اے بادشاہ تیری ناراضگی میں صرف جان کا خوف ہے اور حضرت کی ناراضگی میں سلب ایمان کا خوف تھا اِس وجہ سے

میں نے جان پر ایمان کو ترجیح دے کر حضرت پر یہ حال ظاہر کر دیا۔ دانا بادشاہ نے یہ برجستہ جواب سنکر خاموشی اختیار کی ؎

امیر خسرو رح نے جلال الدین خلجی کی مدح میں کئی قصیدے لکھے ہیں جو انکے دیوان میں موجود ہیں اِس مقام پر صرف اُن کے مطلع پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مطلع قصیدہ اوّل

سپیدہ دم کہ فلک جام زر بہ گیہاں داد　||　نسیم عالیہ در دامنِ گلستاں داد

مطلع قصیدہ دوم

سپیدہ دم چو ہوا گشت بوستاں فرسود　||　بساطِ خاک زدیبا و پرنیاں فرسود

مطلع قصیدہ سوم

شیریں دہانِ یار کہ راحت بجاں دہد　||　آبِ حیات ازاں لبِ شکر فشاں دہد

مطلع قصیدہ چہارم

چو زلفِ یار شکن بر شکن ہمے پیچد　||　دو ہزار دلِ مرد و زن ہمے پیچد

وقوعہ سیدمولے

سلطان جلال الدین کے عہد کا ایک عجیب وغریب واقعہ قتل سیّد مولے کا ہے۔ اگرچہ ہماری کتاب کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ قصہ نہایت دلچسپ۔ حیرت انگیز اور افسوسناک ہے لہذا غالباً بے موقع نہ خیال کیا جائے گا۔

سید مولی ایک صاحبِ کمال اور عابد وزاہد بزرگ تھے۔ جرجان ان کا اصلی وطن تھا۔ انہوں نے مدتوں جرجان سے مغرب کی طرف مسافرت کی اور خدا پرستانِ حقیقت کیش سے صورت ومعنی کا فیض پاکر اور خدا شناسی کی آنکھیں روشن کرکے اپنے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔ اس کے چند روز بعد قطب الاولیا حضرت مخدوم فریدالدین شکرگنج رح کی زیارت کے شوق میں ہندوستان تشریف لائے اور اجودھن میں جواب پاک پٹن کے نام سے مشہور ہے، آپ سے ملاقات کی اور مدت تک آپ کی صحبت میں رہ کر فیضِ معنوی حاصل کیا۔ بعدازاں آپ سے دہلی کی سیر کی اجازت حاصل کی۔ رخصت کے وقت حضرت قطب الاولیا رح نے ان سے فرمایا کہ ایک نصیحت یاد رکھنا کہ ملوک اور امرا اور مقربانِ شاہی کے ساتھ اختلاط نہ کرنا اور ان کی آشنائی سے محترز رہنا کس واسطے کہ مصاحبت اور اختلاط اس جماعت کا ہم فقیروں کو سبب ہلاکت کا ہے۔ غرض سید مولی اجودھن سے روانہ ہوکر سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہلی آئے اور وہاں ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کراکر فقرا اور مساکین کی دعوت وضیافت میں مصروف ہوئے۔ جتنے درویش اور مسافران کی خانقاہ میں آتے تھے ان میں سے کوئی محروم نہ جاتا تھا۔ اگرچہ آپ نماز پانچوں وقت کی ادا فرماتے تھے مگر جمعہ میں حاضر نہ ہوتے تھے اور جماعت کے اچھی طرح پابند نہ تھے۔ لیکن مجاہدہ اور ریاضت بہت فرماتے تھے اور نفس کشی کا یہ عالم تھا کہ سوائے ایک چادر کے اور کچھ نہ رکھتے تھے نہ کوئی عورت یا خادمہ آپ کے پاس رہتی تھی۔ کسی سے کچھ لیتے نہ تھے اور اس قدر خرچ کرتے تھے کہ لوگ محوِ حیرت ہوکر خیال کرتے تھے کہ کیمیا کے صاحبِ کمال ماہر ہیں۔ بادشاہ غیاث الدین بلبن کے انتقال کے بعد عہد کیقبادی میں کہ زمانہ غفلت اور بےخبری کا تھا۔

آپ کے ایثار و نثار کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ بڑے بڑے امراء اور خوانین ذیشان دونوں وقت خانقاہ میں حاضر ہو کر ایسے طعامِ لذیذ نوش فرماتے تھے کہ سلاطین روزگار کو بھی میسّر نہ ہونے تھے اِس کے علاوہ کسی کسی کو دو دو تین تین ہزار تنکہ سونے کے انعام میں بھی مل جاتے تھے۔ ہزار من میدہ اور پانچ سو من گوشت اور دو سو من مصری اور دو سو من شکر اور کئی من گھی خانقاہ کے باورچی خانہ میں روزانہ صرف ہوتا تھا۔ سید مولی کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی شخص کو کچھ عطا فرمانا چاہتے یا قیمت ان اشیاء کی جو روزانہ خریدی جاتی تھیں دینے کا ارادہ کرتے تو کہتے کہ فلاں بوریئے یا فلاں پتھر یا فلاں اینٹ کو اُٹھاؤ اُسکے نیچے اس قدر تنکہ نقرئی یا طلائی ہیں تم انہیں لے لو۔ جب وہ چیز اُٹھائی جاتی ارشاد کے بموجب اُس کے نیچے سے برآمد ہوتا تھا۔ اور سکّے ایسے نئے نکلتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اِسی وقت ٹکسال سے بنکر آئے ہیں۔ جب خلجیوں کا زمانہ شروع ہوا اور ملک الامرا فخرالدین کوتوال نے جو عہد غیاث الدین بلبن کا بڑا نامی امیر اور بذل و کرم حُسن اخلاق اور برگزیدہ اوصاف میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا وفات پائی اور اُس کے متوسلین و خوانین اور بارہ ہزار حافظ قرآن کہ اُس کے ملازم اور ہر روز ہزار مرتبہ قرآن شریف ختم کرتے تھے اور اسیقدر سپاہی اور دیگر ملازم بے روزگاری سے پریشان ہوئے یہ سب بھی سید مولے کی خانقاہ میں حاضر ہونے لگے خانخانان سلطان جلال الدین کا بڑا بیٹا بھی سید بزرگ کے فضائل اور کرامات دیکھ کر بہت معتقد ہو گیا اور اکثر اوقات خدمتِ عالی میں حاضر رہنے لگا اور دیگر اُمراء اور مقربانِ شاہی بھی شب و روز سید موصوف کی خانقاہ میں حاضر ہو کر نعمت ہائے گوناگوں کہ اُنہیں اپنے دسترخوان پر میسر نہ ہوتی تھی مہیّا پاتے اور اُن کے اشارے سے طاقوں اور اینٹوں اور

پتھروں کے نیچے سے سونے اور چاندی کے ٹکے حاصل کرکے عیش وعشرت میں بسر کرتے تھے نوبت یہاں تک پہنچی کہ قاضی جلال الدین کاشانی نے جو مرد فتنہ انگیز اور مہمانانِ شاہی سے تھا سید مولی کو سلطنت کی ترغیب اور تحریص دینی شروع کی، اور سمجھایا کہ قادر مطلق نے آپ کو اس قدر قدرت محض اِس غرض سے عطا فرمائی ہے کہ سلطنت اسلامیہ کو ظالموں کے ہاتھ سے نکالئے اور شریعتِ رسول اللہ کی پیروی کرکے خلقتِ خدا کو عدل وانصاف کے مہد امن وامان میں رکھئے اگر آپ اِس میں تساہل کرینگے تو فردائے قیامت کیا جواب دینگے۔ سید مولی نے لوازمِ بشریت سے جو ہر بشر کے ساتھ لاحق ہیں اور قاضی جلال الدین کی چرب زبانی سے دھوکا کھایا اور ہر ایک مرید کو خطاب اور منصب دینا شروع کیا اسی عرصے میں چند مریدوں نے کمرِ ہمت باندھ کر ارادہ کیا کہ بادشاہ کا کسی موقع پر کام تمام کرکے سید مولی کو تخت پر بٹھادیں۔ مگر یہ راز قبل از وقت افشا ہوگیا۔ سلطان جلال الدین خلجی نے سید مولی کو مع قاضی جلال الدین کاشانی اور دیگر معتقدین کے دربار میں طلب کیا۔ اور حقیقت حال استفسار فرمائی۔ سب بالاتفاق منکر ہوئے اور کہا کہ ہم اِس امر سے مطلق آگاہ نہیں ہیں۔ جب ان کا انکار حد سے گذرا تو بادشاہ نے اِن کی راست گوئی کے امتحان کیواسطے صرائے بہادرپور میں ایک مقام پر آگ جلواکر حکم دیا کہ یہ لوگ آگ میں سے گذریں تاکہ اِن کا جھوٹ اور سچ ظاہر ہو جسوقت سید مولی نے بہ آواز بلند کلمۂ شہادت پڑھا اور آگ میں داخل ہونا چاہا۔ بادشاہ کو رحم آیا اور علماء سے فتوے طلب کیا کسی نے فتوے نہ دیا اور بالاتفاق عرض کیا کہ یہ فعل شریعت میں کسی طرح جائز نہیں ہے۔ آگ بالطبع جلانے والی ہے راست گو اور دروغ گو کو یکساں جلادے گی۔ علماء کی اِس راست گوئی کے باعث بادشاہ اِس ارادے سے باز آیا اور اسی وقت قاضی جلال الدین کو دہلی سے بدایوں تبدیل کردیا اور دیگر اشخاص کو جو متہم ہوئے تھے دارالسلطنت سے نکلوادیا اور سید مولی

سے طرح طرح کے سوالات دریافت کرنا شروع کئے جن کے جواب بھی معقول پائے
جب کسی طرح کا الزام شرعی اُن پر ثابت نہیں ہوا تو بھی اُن کے وجود کو موجب خلل
سلطنت تصور کر کے شیخ ابوبکر طوسی حیدری کو جو حیدری فقیروں کا سردار تھا کوشک
کے قریب بلایا اور کہا کہ اے درویشو انصاف کرو کہ اس مرد نے میرے حق میں کس قسم
کا ظلم کیا ہے اور کس قسم کا خلل پہنچانا چاہا ہے یہ سُن کر سنجری نام ایک قلندر بیباک
نے سید مولی کے تن نازنین کو اُسترے سے مجروح کیا اور سوئیاں چھبوئیں۔ سید
مولی چلائے اور کہا کہ مجھے جلد اپنے مبدا پر پہونچاؤ میں اپنے قتل ہونے سے آزردہ
نہیں ہوں بلکہ خوش ہوں لیکن یقین رکھنا کہ آزار طائفہ درویشاں شوم ہے میمنت
نہیں رکھتا۔ عنقریب اس کی مکافات ملے گی۔ بادشاہ سید موصوف کے قتل
میں متردد اور متفکر ہی تھا کہ اُس کے منجھلے بیٹے ارکلی خاں نے جو اپنے بڑے بھائی
خانخاناں کی عداوت کی وجہ سے ان سید بزرگ سے بھی عداوت رکھتا تھا کوٹھے پر
سے فیلبان کیطرف اشارہ کیا۔ جس نے فوراً مست ہاتھی چھوڑ کر سید مولی کو شہید کرادیا۔
ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ میں اُس روز دہلی میں
تھا مجھے خوب یاد ہے کہ سید مولی کے قتل کے بعد ایسی سیاہ آندھی اُٹھی کہ جہان
تاریک ہوگیا اور تھوڑی دیر تک یہ نوبت رہی کہ کوئی کسی کو نہ دیکھ سکتا تھا اور اُسی
سال یعنی سنہ ۶۹۱ھ میں دہلی اور اُس کے قرب و جوار میں بارش کی کمی کی وجہ سے ایسا
قحط پڑا کہ عوام الناس نے بھوکوں کے مارے جمنا میں گر گر کر جان دی اور اس واقعہ کے
بعد ادبار دو اسپہ جلال الدین خلجی کی سلطنت پر تاخت لایا اور روز بروز قضیہ نامرضیہ پیش
آنے لگے اور اُس کی شاہی میں رونق باقی نہ رہی۔ مشہور ہے کہ سید مولی اس حادثہ
کے دو برس پہلے سے یہ رباعی اکثر پڑھا کرتے تھے[1] رباعی

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فرشتہ۔ منتخب التواریخ وغیرہ۔

در مطبخ عشق جز نکو را نہ کشند	لاغر صفتان و زشت خو را نہ کشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز	مردار بود ہر آنکہ او را نہ کشند

سات برس اور چھ۶ مہینے کے بعد جلال الدین فیروز شاہ کی بہارِ سلطنت بھی خزاں کی نحوست سے تباہ و برباد ہوئی اور ۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ (۱۲۹۵ء) سے سلطان علاؤ الدین خلجی[1] کا دورہ شروع ہوا۔ یہ بادشاہ سلطنت سے پہلے تو الف کے نام بے بھی نہ جانتا تھا لیکن تخت نشین ہو کر کچھ حروف شناس ہو گیا تھا مگر اس کو اپنی علمی لیاقت پر ایسا

[1] علاؤ الدین خلجی۔ اپنے چچا جلال الدین خلجی اور اس کے بیٹوں اور بہت سے امیروں کو قتل و برباد کر کے تخت نشین ہوا۔ اوّل اوّل تالیفِ قلوب کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور بے شمار زر و جواہر لٹا کر خاص و عام کو مالا مال کیا جب خوب تسلط جم گیا اور کوئی دعویدارِ سلطنت کا باقی نہ رہا تو نہایت تشدد سے جس قدر انعام و اکرام میں خزانہ لُٹایا تھا۔ سب واپس کر لیا۔ اس بادشاہ نے بیس برس اور کئی مہینے نہایت شان و شوکت کے ساتھ سلطنت کی اور باوجود اس کے کہ پڑھا لکھا نہ تھا مگر کمال فراست سے اپنے کل ایام سلطنت میں کسی کو یکبارگی ایسا بڑھایا کہ وہ اپنے آپے میں نہ رہتا نہ کسی کی ضرورت ذاتی کو فروگذاشت کیا۔ قانون وانع اور بہت سے نئے قانون اپنی طبیعت سے ایسے نکالے کہ جو آج تک اس کی مدبرانہ لیاقت اور عالی دماغی کو ثابت کرتے ہیں۔ غلّہ۔ کپڑا۔ گھوڑے غرضکہ اعلیٰ چیز سے لے کر ادنیٰ چیز تک سب کا نرخ ایسا سستا مقرر کر دیا تھا کہ خاص و عام کو اس سے بہت بڑی آسائش ہوئی اور ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ کسی کو مقدور نہ تھا کہ شاہی مقرر شدہ نرخ سے کم و بیش خرید و فروخت کر سکے ان سب حالات اور انتظامات کی تفصیل تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی میں موجود ہے۔ دکن اور دیگر ممالک میں اس کو اس قدر فتوحات حاصل ہوئیں کہ عوام کو اس کی کرامت کا گمان پیدا ہوا بعضے جادو کا خیال کرنے لگے اور بعضوں کو یقین تھا کہ یہ سب برکت حضرت سلطان المشائخ کی توجہ کی وجہ سے ہے۔ آخر ایام سلطنت میں جبکہ بادشاہ بیمار ہوا اس کے منظورِ نظر غلام ملک کافور کو جس نے دکن کی لڑائیوں میں بڑا نام پایا تھا اس کے مزاج میں ایسا دخل پیدا ہوا کہ اس کو سلطنت

گھمنڈ تھا کہ کسی عالم کو اپنے روبرو کچھ نہ جانتا تھا کسی فاضل کا مقدور نہ تھا کہ اُسکے آگے زبان ہلا سکے۔ آغاز سلطنت میں پیغمبری کی سوجھی جب یہ بات بن نہ پڑی تو سکندری کی لو لگی باوجود اس کے امیر خسرو رح کی بہت وقعت کرتا تھا اس نے اپنے عہد میں ایک ہزار ٹنکہ ان کی تنخواہ مقرر کی تھی ۔

امیر خسرو رح کی تصنیف و تالیف کا زیادہ حصہ اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ جس کی تصریح کسی دوسرے مقام پہ کی جاوے گی۔ امیر خسرو رح کی حق گوئی پر ہزار آفریں ہے کہ جہاں انہوں نے اس کی تعریف و توصیف میں بڑے بڑے عالیشان اور پرزور قصیدے لکھے ہیں وہاں اس جبار بادشاہ کو جس کے سامنے تمام عالموں کو محض اس خوف سے جاہل بننا پڑتا تھا کہ ان کی تحصیل علم بادشاہ کی تحصیل علم سے زیادہ نہ ظاہر ہو جاوے۔ بہت سی نصیحتیں بھی کی ہیں۔ ایک موقع پر بادشاہ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں ؎

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) کے خواب پریشان دکھائی دینے لگے اور اُس نے بادشاہ کا دل خضر خاں اور شادی خاں اس کے دونوں بیٹوں سے ایسا پھیر دیا کہ اس کو ان کی جانب سے شک پیدا ہو گیا اور دونوں بھائیوں کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا اور ملک کافور کی صلاح سے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو جو بہت خورد سال تھا ولیعہد کیا اور اس کے بعد دوسرے تیسرے ہی دن ۶ شوال ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) کو انتقال کیا۔ ملک کافور نے شہاب الدین کو تخت نشین کیا اور ایک امیر کو گوالیار کے قلعے میں بھیجکر خضر خان اور شادی خان کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور بادشاہ کے چوتھے بیٹے مبارک خاں کو قید کرکے اس کی آنکھیں نکلوانے کی فکر میں تھا کہ مبشر اور بشیر نامی دو سرداروں نے جو قصر ہزار ستون کے محافظ تھے اپنے ولی نعمت کے خاندان کی تباہی دیکھ کر اس مردود کا بھی کام تمام کر دیا۔ اور مبارک خان کو قید سے نکال کر تخت سلطنت پر بٹھایا ۔

چوں خدایت سریر شاہی داد　　مملکت از مہ تا بہ ماہی داد
کوش کاسودہ داری از شاہی　　عالمے راز ماہ تا ماہی
بر ستمکش ز عدل کم نہ کنی　　بر ستمگار جز ستم نہ کنی
خاربن را بر افگنی ز گذر　　خارکن را کنی نہال ز سر
چوں بہ پیلاں علف دہی حالی　　از غم مور دل مکن خالی
عالم آسودہ کن بہ نعمت و جود　　تا تو خوش باشی و خدا خوشنود
چوں بہ خاصاں دہی نوالہ و جام　　کام شاں خوش کنی بہ نعمت و کام
یاد کن زاں گدائے بے توشہ　　کہ شب افتد گرسنہ در گوشہ
کہ چو فردا شمار کار کنند　　اول از مفلساں شمار کنند
پیل چوں مور را تہ پا سود　　پرسش از پیلباں خواہد بود
تا توانی بہ داد و دیں گرائے　　کہ بود ملک زیں دو پایہ بجائے
بندہ در خوں کند چو دامن چست　　دیت از پادشاہ بباید جست
گرچہ در سد آہنی معصوم　　مشو ایمن ز ناوک مظلوم
ورچہ کس نیست دشمن تن تو　　غفلت تو بس است دشمن تو

شوال ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) میں علاؤالدین خلجی کا اقبالِ سکندری پردۂ ظلمات میں غروب ہوا۔ اور شہاب الدین عمر کی تین مہینے کی برائے نام سلطنت کے بعد محرم ۷۱۷ھ (۱۳۱۷ء) کو قطب[1] الدین مبارک شاہ تخت پر بیٹھا امیر خسرو رح نے مثنوی نہ سپہرِ اسی بادشاہ کے

[1] قطب الدین مبارک شاہ نے تخت نشین ہو کر اول اول تو اچھا انتظام کیا لیکن تھوڑے ہی دنوں میں عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا اور ایک غلام حسن نامی پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اس کو خسرو خاں کا خطاب دے کر وزارت کا منصب عطا کیا ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) میں قطب الدین کو توال کو گوالیار بھیج کر دعوے دارانِ سلطنت یعنے اپنے بھائیوں خضر خاں اور شادی خاں اور شہاب الدین خاں کو قتل کرا دیا۔

نام پر لکھی ہے جس کے صلے میں اس نے ہاتھی کے ہموزن[1] زر و جواہر ان کو عطا فرمایا تھا
امیر خسرو رح اس مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں +

(سلطان قطب الدین کی زبان سے)

بنازیغ ہمچوں من اسکندرے	کند ہر کہ آرائش دفترے
ز گنجِ گراں مایہ بے شمار	دہم بار پیایش پئے پیل بار
مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل	کہ مید اد زر ہم ترازو سے فیل
شناسد خرد کش خرد رہنموں	کہ از پیلبار است وزنش فزوں
چو پیرا شد پیل زر داد نم	نہ زیباست زیں سہل بر داد نم

اس کے بعد فرماتے ہیں

شہا گنج بخشا کرم گسترا	معانی شناسا سخن پرورا
مرا عمر کز شصت بالا گذشت	ہمہ پیش شاہان والا گذشت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) رفتہ رفتہ خسرو خاں کا ایسا عروج ہوا کہ اس کو سلطنت کی ہوس پیدا ہوئی اور اس نے سلطنت کے عہدوں پر اپنی قوم کے آدمی بھرنا شروع کئے۔ ارا کین سلطنت نے بادشاہ کو کئی بار سمجھایا مگر اس غفلت شعار بادشاہ نے جو خسرو خاں پر فریفتہ تھا ایک نہ سنی بلکہ الٹا ان ارا کین سلطنت کے پیچھے پڑ گیا جنھوں نے خسرو خاں کی شکایتیں کی تھیں اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ شب پنجم ماہ ربیع الاول ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء کو خسرو خاں نے بادشاہ کو قصر ہزار ستون میں قتل کر ڈالا اور اسی رات جملہ امیروں اور ارا کین سلطنت کو جن سے کچھ خوف تھا بادشاہ کے نام سے قصر ہزار ستون میں بلا کر قید کر لیا اور صبح کو اپنا خطاب ناصر الدین شاہ مقرر کر کے تخت نشین ہوا +

[1] منقول ہے کہ ایک بادشاہ نے ہاتھی کا اس طرح وزن کرایا تھا کہ ہاتھی کو ایک کشتی میں بٹھایا جس قدر کشتی ہاتھی کے وزن سے پانی میں ڈوبی اس مقام پر نشان بنا دیا اسکے بعد کشتی میں اس قدر اینٹ پتھر بھرے کہ اسی نشان تک پانی آگیا۔ جب ان اینٹوں اور پتھروں کو وزن کرایا تو تین ہزار من پختہ شاہجہانی

ز شاہاں کسے کاو قلم کرد یاد　　معز الدنیا بود شہ کیقباد

ازاں پس ز فیروزہ چرخ بلند　　شدم پیش فیروز شہ ارجمند

ازاں پس کہ در شہ ستائی شدم　　توانگر ز گنج علائی شدم

شدا کنوں کہ اقبال ہمدم مرا　　نوازندہ شد قطب عالم مرا

چنیں بخششے کز تو جم یافتم　　در ایام پیشینہ کم یافتم

کنوں لابد از سحر سنج چو من　　بہ اندازۂ بخشش آمد سخن

جرا ید گزیں پیش پرداختم　　چوں ایں نامۂ خاص کم ساختم

سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چار پانچ مہینے تک خسرو خاں کی سلطنت رہی۔ اور ارکین سلطنت کو چار و ناچار اُس کی اطاعت کرنا پڑی لیکن امیر خسرو رح نے اس پر آشوب زمانے میں دربار سلطنت سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھا۔ جب غازی الملک نے جو علاؤ الدین خلجی کے عہد کا ایک نامی امیر اور دیپالپور کا حاکم تھا دربار کا یہ حال سُنا تو اُس کے دل میں غیرت اسلامی نے جوش مارا اور اپنے آقا کے خون کا بدلا لینے پر کمر باندھی اور دہلی کی طرف کوچ کیا اندرپت کے میدان میں خسرو خاں سے لڑائی ہوئی جس میں خسرو خاں کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہو کر دوسرے دن غازی الملک کے سامنے لا کر قتل کیا گیا اور یکم شعبان ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء کو سب امیروں کے اتفاق سے غازی الملک غیاث الدین[1] تغلق کے خطاب سے تخت نشین ہوا اُس نے امیر خسرو رح کو اپنی مصاحبت میں

[1] غیاث الدین تغلق یہ بادشاہ عاقل اور سلیم الطبع اور رحیم تھا۔ نماز کا سخت پابند اور ہمیشہ باجماعت ادا کرتا تھا امورات سلطنت کو نہایت عدل و انصاف سے سر انجام دیتا تھا۔ خسرو خاں و قطب الدین کے عہد میں جو خرابیاں سلطنت میں پیدا ہو گئی تھیں اُنھیں اِس نے اپنے حُسن انتظام سے بہت جلد دور کیا ۷۲۲ھ ۱۳۲۲ء میں بنگالہ کے صوبہ دار کی شکایت میں کچھ عرضیاں اِس کے دربار میں

رکھا اور اس قدر قدر افزائی کی کہ اس سے پہلے کسی عہد میں نہیں ہوئی تھی۔ انکی سب سے آخری تصنیف تغلق نامہ ہے جو اسی بادشاہ کے نام پر لکھا تھا۔

۷۲۴ھ؁ میں غیاث الدین تغلق بنگالہ جاتے وقت امیر خسرو رحمہ کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ واپسی کے وقت کسی خاص کام کے واسطے ان کو لکھنوتی میں چھوڑ آیا تھا۔ جہاں سے وہ اس کی وفات کے بعد محمد شاہ تغلق کے عہد میں واپس آئے جس کا حال، دوسرے مقام پر تحریر کیا جاوے گا۔

امیر خسرو رحمہ نے غیاث الدین بلبن کے زمانہ سے محمد شاہ تغلق کے عہد تک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ آئیں ان کی تحقیقات کے واسطے بادشاہ خود لکھنوتی کو روانہ ہوا اور ۷۲۵ھ؁ ۱۳۲۴ء میں وہاں سے واپس آیا۔ شاہزادہ الغ خاں (محمد تغلق) نے تغلق آباد سے تین کوس پر افغان پور میں ایک عالیشان چوبی محل تین دن میں طیار کرایا اور وہاں بادشاہ اور امراء کی ضیافت کا سامان مہیا کیا۔ بادشاہ جس وقت کھانے سے فارغ ہوا اور ہاتھ دھونے لگا۔ یکایک محل کی چھت گر پڑی اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مشہور ہے کہ اس بادشاہ کو کسی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ سے خصومت ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے لکھنوتی سے واپس آتے وقت حضرت کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ میں دہلی آتا ہوں اب یا تو آپ ہی وہاں رہیں گے یا میں ہی رہونگا آپ نے اس وقت ارشاد فرمایا کہ ہنوز دہلی دور است۔ اسی دن سے یہ قول بطور ایک ضرب المثل کے آج تک مشہور چلا آتا ہے۔ منقول ہے کہ جب بادشاہ دہلی کے قریب آ پہنچا تو بعض مردانِ جاں نثار نے حضرت سلطان المشائخ رح سے عرض کیا کہ بادشاہ اب دہلی میں آیا ہی چاہتا ہے حضرت چند روز کے واسطے مصلحتاً کسی دوسرے مقام پر تشریف لے چلیں آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر یہ قطعہ پڑھا۔

قطعہ

قصد ظالم بہ سوئے کشتن ماست	دلِ مظلوم ما بہ سوئے خداست
او دریں فکر تا بما چہ کند	من دریں فکر تا خدا چہ کند

گیارہ[1] بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور سات[2] بادشاہوں کی ملازمت اور مصاحبت کی۔ خاندان غلاماں کی بااقبال سلطنت کا چراغ اُن کے سامنے گُل ہوگیا اور خاندانِ خلجی کے آفتاب اقبال کے طلوع و غروب کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مشہور مؤرخ سرالیٹ کی رائے ہے کہ خسرو ایسے زمانہ میں ہوا ہے کہ جب ہندوستان میں اخلاق کا خون ہو رہا تھا واقعی یہ رائے بہت صحیح ہے کیونکہ غور سے دیکھنے والوں کو ہندوستان کے صفحاتِ تاریخ میں یہ دور بہت سیاہ و تاریک نظر آتا ہے اور اسی عہد کے مسلسل کشت و خون اور سازشوں اور طوائف الملوکی نے اکثر یورپین مؤرخوں سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ کو قصاب کی دوکان کے نام سے موسوم کرایا ہے۔ اِس عہد کے سلسل مختصر حالات صرف اِس غرض سے بیان کئے گئے ہیں کہ ناظرین کو امیر خسرو رح کے زمانہ کا مفصل حال معلوم ہو جاوے۔ اور نظر عبرت سے دیکھنے والوں کو دنیا میں مکافاتِ عمل سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کا موقع ملے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سرائے آفرینش سرسری نیست	زمین و آسماں بے داوری نیست
دراندیش اے حکیم از کار ایام	کہ پاداش عملہا شد سرانجام

کیقباد نے اپنے چچازاد بھائی کیخسرو کو بے قصور قتل کرایا دوسرے سال اُسے بھی یہی روز بد دیکھنا پڑا جلال الدین خلجی نے سید مولیٰ کو شہید کرا کر اپنی نیک نام

[1] غیاث الدین بلبن۔ معز الدین کیقباد۔ کیومرث الملقب بہ شمس الدین (چند روزہ) جلال الدین فیروز شاہ خلجی۔ رکن الدین ابراہیم شاہ (چار ماہ) علاؤ الدین خلجی۔ شہاب الدین عمر چند ماہ۔ قطب الدین مبارک شاہ۔ ناصر الدین خسرو خاں۔ غیاث الدین تغلق شاہ۔ محمد تغلق۔

[2] غیاث الدین بلبن کے عہد میں شاہزادہ محمد سلطان۔ معز الدین کیقباد۔ جلال الدین فیروز شاہ۔ علاؤ الدین خلجی۔ قطب الدین مبارک شاہ۔ غیاث الدین تغلق۔ محمد تغلق

چند روزہ

سلطنت پر بدنما دھبہ لگایا لیکن تھوڑے دن بھی اطمینان سے سلطنت نہ کرنے پایا کہ خود
بھی اسی مصیبت میں گرفتار ہوا۔ علاؤالدین نے اپنے چچا سے جو افسوسناک برتاؤ
کیا اس کی سزا اس کی اولاد کو ملی[1] کافور اپنی نمک حرامی سے فوراً ہی دنیا سے کافور
ہوگیا۔ قطب الدین نے خضر خاں اور شادی خاں وغیرہ کے قتل سے اپنے ہاتھوں
کو رنگا اس کے شامتِ اعمال سے بہت جلد اس کا خاتمہ بھی بدترین طریق سے ہوا۔
خسرو خاں کی نمک حرامی نے خسروی کی آرزو میں اپنی عزیز جان کو بھی کھویا۔ ہماری
نے بلند پروازی سے دنیا کے مکافاتِ عمل کا کیا خوب خاکہ کھینچا ہے مثنوی

صبح چو خورشید علم برفراشت — نقشِ دگر اخترِ عالم نگاشت
تافت چو بر سطحِ زمین و زماں — قیصر ساں گشت بہ بحر و بہ کاں
تاکہ ز اطوارِ قضا و قدر — مور ضعیفے بہ یکے رہگذر
بود ز ناسازئ نفسِ لئیم — از پئے یک دانہ دراں رہ مقیم
سعی کناں ہر طرفے مے شتافت — تا ز قضا دانہ مقصود یافت
دانہ کش از رہ چو بروں پا نہاد — چشم یکے مرغ بر او وفتاد
حملہ بسید او بر آں مور کرد — روز بر آں چوں شبِ دیجور کرد
کرد تقاضائے فرو بردنش — برد چو منقار بہ خوں خوردنش
تا شدہ آں مور بہ حلقش فرو — مرغِ دگر حملہ در آمد برو
کرد دراں بال بہ چنگال بند — تا سرش از گزلکِ منقار کند
مرغکے ار کرد دلِ مور ریش — یافت ہماں لحظہ مکافاتِ خویش

[1] منقول ہے کہ جب علاؤالدین کے خاندان کی تباہی ہوئی تو ایک مجذوب صاحب کمال سے کسی نے دریافت
کیا کہ یہ کیا ہوتا ہے انھوں نے جواب دیا کہ جو آگ علاؤالدین نے اپنے ولی نعمت چچا کے خاندان میں لگائی
تھی وہ اس کے خاندان کے آگے آئی ہے۔

نیک زی و دو شمنے خود مسکن	ناتوانی بہ کسے بد مسکن
تا نخوری خون ز بد روزگار	پند نیازی بشنو زنہار

سلطنت کے اس پے در پے انقلاب اور متواتر تغیرات نے سیکڑوں شریف خاندانوں اور اہل فضل و کمال کو تباہ و برباد کر دیا کیونکہ ہر بادشاہ کی تباہی کے ساتھ ہی اس کے اُمرا اور مصاحبین اور متعلقین پر بھی تباہی آنا ضروری بات تھی۔ امیر خسرو رح کی ہردلعزیزی سلامت روی اور دانشمندی اور نیک نیتی وغیرہ کے اوصاف و خوبی کی اس سے زیادہ کیا سند پیش کی جا سکتی ہے کہ اس پُر آشوب زمانہ میں ہر بادشاہ کے عہد میں اُن کی قدر و منزلت بڑھتی ہی گئی اور انہوں نے باوجود اس کے کہ جاہ و جلال کے ایسے اوج کمال پر پہنچے کہ جہاں تک پہنچنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے لیکن نہایت دانشمندی سے کسی وقت میں امورات سلطنت میں دخل نہیں دیا نہ سلطنت کی کسی مالی و ملکی خدمت کا لینا پسند کیا اُن کی اس دانشمندانہ حکمت عملی کی جس قدر تعریف و توصیف کی جاوے کم ہے ؎

باب چہارم

وفات - مذہب - اخلاق و عادات اور اولاد -

(وفات)

امیر خسرو رح جیسا کہ باب سوم میں لکھا گیا ہے ۷۲۴ھ ہجری میں سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ لکھنوتی تشریف لے گئے تھے ہنوز وہاں سے واپس

ہی آنے پائے تھے کہ ۱۸ ماہ ربیع الثانی ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) کو حضرت سلطان المشائخ رح نے وصال فرمایا[لہ] جب لکھنوتی میں ان کو اس حادثۂ جانکاہ کا حال معلوم ہوا نہایت بے تاب ہو کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ در بہ تعجیل تمام روتے پیٹتے دہلی پہنچے اور تمام سر کے بال کٹوا کر اور منہ سیاہ کر کے مزار مقدس حضرت سلطان المشائخ رح پر حاضر ہوئے اور دروازۂ خانقاہ پر پہنچ کر اول یہ شعر پڑھا سہ

این چہ کاریست کہ در آنکہ جاناں بودہ است ‖ راہ آمد شد ایں سرو خراماں بودہ است

اس کے بعد اندر جا کر نہایت رقت سے فرمایا کہ سبحان اللہ آفتاب زیر زمین نہاں ہوا اور خسرو زندہ رہے۔ اس کے بعد کشش عشق اور جذبۂ محبت کے جوش و خروش میں اپنا سر مزار مبارک پر دے مارا اور ہندی میں یہ شعر پڑھ کر بیہوش ہو گئے سہ

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چوندیس

جب ہوش آیا کہا کہ اے مسلماناں من کدام کس باشم کہ برائے اینچنیں بادشاہے بگریم فاما برائے خود گریم کہ بعد از سلطان المشائخ رح مرا چنداں بقائے نخواہد بود۔

اس کے بعد اپنا کل مال و اسباب نقد و جنس فقرا اور مساکین پر تقسیم کیا۔ اور اس کا ثواب حضرت سلطان المشائخ رح کی روح کو پہنچایا اور کل امورات دنیوی سے دستکش ہو کر سیاہ کپڑے پہنے اور مزار شریف پر آ بیٹھے اور غم مفارقت پیر بزرگوار میں شب و روز مثل ماہی بے آب تڑپتے تھے سہ

چشمہائے عاشقاں را خواب نیست ‖ خواب را با دیدۂ عاشق چہ کار
یا زباں آں چشمہائے آب نیست ‖ چشم او چوں شمع باید اشکبار

لہ سیر الاولیا۔ سفینۃ الاولیا۔ مونس الارواح۔ تذکرۂ اقوام صوفیان۔ جواہر زیدی۔ فرشتہ۔

اسی سنجِ والم میں چھ مہینے کے بعد بدھ کے دن ۱۸ شوال ۷۲۵ھ[1] ۱۳۲۴ء کو انہوں نے بھی اس دارِ ناپائدار سے بجانب روضۂ قدس انتقال فرمایا اور پائین اپنے مرشدِ کامل کے یاران چبوترہ پر مدفون ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون رباعی

دریں سرائے فنا فکرِ سروری ہیچ است	ہم لذّتِ گدائی و فکرِ توانگری ہیچ است
بچشمِ عقل اگر بنگری جہاں خوابیست	بخوابِ شادی و غم ہرچہ بنگری ہیچ است

نکتہ: امیر خسرو رح نے مثنوی خضر خاں میں جس مقام پر حضرت سلطان المشائخ کا ذکر کیا ہے وہاں اپنی یہ تمنا بھی ظاہر کی تھی ؎

کلاہش را نیابم تا نگیرم
زہے بخت ار تہِ پایش بمیرم

چونکہ ان کی یہ تمنا صمیمِ قلب سے تھی لہذا یہ بیت بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہوئی اور وہ اس سعادت سے مشرف ہوئے۔

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ رح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تیری زندگی میری بقا پر موقوف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ امیدوار ہوں کہ حضور کے قدموں پر مروں۔

منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رح نے اکثر ارشاد فرمایا ہے کہ امیر خسرو میرے بعد زندہ نہ رہے گا۔ جب رحلت کرے میرے پہلو میں دفن کرنا کیونکہ وہ میرا صاحبِ اسرار ہے اور میں بغیر اس کے بہشت میں قدم نہ رکھوں گا اور اگر دو شخصوں کا ایک قبر میں دفن کرنا شریعت میں جائز ہوتا تو میں وصیت کرتا کہ اسے میری قبر میں دفن کریں تاکہ ہم دونوں قبر میں بھی یکجا رہتے۔ سبحان اللہ کیا رتبہ

[1] تاریخ فرشتہ میں تاریخ رحلت ۱۸ ذیقعدہ ۷۲۵ھ یوم پنجشنبہ اور بعض تذکروں میں ۲۸ شوال شب جمعہ لکھی ہے لیکن تحقیقات سے ۱۸ شوال ہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ہے ؎

منقول ہے کہ امیر خسرو رح جس وقت لکھنوتی سے دہلی واپس آکر مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ جوش وخروش اور حالت بیتابی میں چاہا کہ مزار سے جا لپٹیں۔ ایک بزرگ اسوقت وہاں تشریف رکھتے تھے انہوں نے ان کو پکڑ لیا۔ کسی شخص نے ان بزرگ سے بعد میں دریافت کیا کہ آپ نے ایسے عاشق کو مزار پر جانے سے کیوں روکا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت امیر خسرو رح سے زیادہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ کو بیتابی تھی۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں مزار سے باہر نہ نکل آویں ؎

جب امیر خسرو رح نے انتقال فرمایا اور لوگوں نے چاہا کہ وصیت کے موافق ان کو حضرت سلطان المشائخ رح کے پہلو میں دفن کریں اس وقت ایک خواجہ سرا کہ منصب وزارت رکھتا تھا مانع ہوا۔ اور کہا کہ حضرت کے مریدوں کو حضرت رح اور امیر خسرو رح کے مزار میں شبہ واقع ہوگا۔ مجبور ہوکر ان کو شیخ کے پائیں یاروں کے چبوترے پر دفن کیا گیا ؎ [1]

مقبرہ

امیر خسرو رح کی وفات کے ایک سو بہتر برس بعد یعنے ۸۹۷ھ میں مہدی خواجہ نے جو شہنشاہ بابر کے امرائے عظیم الشان سے تھا مزار کے گرد سنگ سرخ جالیدار حجرہ تعمیر کرا کر لوح مزار نصب کرائی جس پر یہ کتبہ کندہ ہے ؎

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

به دوران بابر شهنشاه غازی	زمیں را ازیں لوح شد سرفرازی

تاریخ وفات [2]

---

[1] تاریخ فرشتہ ؎

[2] اِس تاریخ کو خواجہ حسن دہلوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

میر خسرو خسرو ملک سخن	ابن محیط فضل دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین	نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل بستانسرائے بے قرین	طوطی شکر مقال بے مثال
از پئے تاریخ سال فوت او	چوں نہادم سر بزانوئے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او	دیگرے شد طوطئ شکر مقال

بیت

زحرف وصل جاناں سادہ باید لوح خاک من
طریق سادہ لوحی بس نشان عشق پاک من

تاریخ بنا

مہدی خواجہ سید با جاہ و جلال	شد بانئ ایں اساس بے شبہ و مثال
گفتم سعی جمیل مہدی خواجہ	تاریخ بنائے ایں چو کردند سوال

حررہ شہاب الدین المعمائے الہروی

اس کے بعد شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں امیر خسرو کے انتقال کے دو سو نوے برس بعد محمد عماد حسن ابن سلطان علی سبزواری الملقب بہ طاہر بیگ نے جو امرائے عہد جہانگیری سے تھا سنہ ۱۰۱۴ھ میں سنگ مرمر سے مقبرہ تعمیر کرا کر گنبد کے اندر اشعار اور عبارت ذیل منقوش کرائی۔

تاریخ

اے خسرو بے نظیر عالم	بار وضۂ تو مرا نیاز است

تعمیر نمود طاہر آں را	فیض ازلی ہمیشہ باز است
تاریخ بنایش عقل گفتا	با روضہ ۱۰۱۴ بگو کہ جائے آز است

قایل ایں کلام و بانئے ایں مقام طاہر محمد عماد الدین حسن ابن سلطان علی سبزواری فی سنہ ۱۰۱۴ غفر ذنوبہ و ستر عیوبہ۔ الکاتب عبد النبی ابن ایوب۔

ابیات

اے شربت عاشقی بجامت	وز دوست زماں زماں پیامت
شد سلک فرید از تو منظوم	زانست کہ شد لقب نظامت
جاوید تہ است بندہ خسرو	چوں شد بہ ہزار جاں غلامت

دیگر

مرا نام نیک است و خواجہ عظیم	دو شین و دو لام و دو قاف و دو جیم
اگر نام یابی دریں حرف ہا	بدانم کہ ہستی تو مرد فہیم

کاتب مذکور نبیرہ شیخ فرید شکر گنج۔

خیر الواصلین میں یہ تاریخ وفات کی تحریر ہے۔

تاریخ تعمیہ

خسرو دہلوی بحکم خدا	بہ شب جمعہ ز دار فنا
عمر ہفتاد و پنج سالش بود	کاں زماں شد بدرگہ معبود
ہجدہم بود از مہ شوال	کہ گذشتہ ازیں جہان ملال
سال ترخیل او زمن بشنو	لفظ فانی برآر از خسرو
	۱۴۱ ۔ ۷۲۶

حضرت نظام الدین اولیاؒ اور امیر خسروؒ کے مزارات کے درمیان میں اب جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں اور محمد شاہ بادشاہ کے مقبرے بن گئے ہیں۔ زائرین کو پہلے امیر خسروؒ کے مزار کی زیارت کروائی جاتی ہے اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مزار کی۔ ۱۸ شوال کو امیر خسرو کا نہایت دھوم دھام سے عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں آدمی باہر سے آکر شریک ہوتے ہیں۔

روضہ کے اطراف میں جو سنگ سرخ کی جالیوں کا احاطہ ہے اس پر پچاس برس سے سفیدی ہوتی ہے۔ جالیوں کے خوبصورت خانوں پر ایک ایک انچہ سفیدی چڑھ گئی ہے۔ ایک دن خواجہ حسن نظامی صاحب خواہرزادہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کو جالی پر حروف کا سا ابھار معلوم ہوا اُسے کھرچا تو تاریخ نکل آئی جو خواجہ موصوف نے میری استدعا پر مجھے لکھ کر بھیجدی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہر جالی نئے نمونہ کی ہے اور عجیب وغریب گلکاری کی شان رکھتی ہے مگر افسوس کہ اُن کی خوب صورتی سفیدی میں پوشیدہ ہے۔ گورنمنٹ نے ان کی صفائی کا حکم دیا تھا مگر بعض پرانے خیال کے لوگوں نے اس کو دخل جدت وسوء ادبی سمجھ کر مخالفت کی اس لئے صفائی نہ ہوسکی وہ تاریخ یہ ہے ؎

شہ ملک سخن خسرو سپہ سالار درویشاں	کہ نامش بست بر لوح جہاں چوں نقش دیوارا
چناں در صورت خوبی سخن پرواز شد طبعش	کہ زیب داد از انصورت بخوبی لوح معنی را
شدہ غواص دریائے تفکر در محیط فضل	بروں آورد رہائے معانی را از آں دریا
بہ تقدیر الٰہی مرغ روحش سدرہ ماوےٰ شد	ندائے ارجعی چوں در رسید از عالم بالا

به سال یخ و یخ مقصد از محبت حضرت
زوار الملک مومنا کرد رحلت جانب عقبےٰ

عاقبت بخیر باد

گذشتہ بود تسع و ہشت و نہصد سال از ہجرت | بدورانِ ہمایوں بادشاہِ غازیِ دانا
شہنشاہے کہ پیشانہ اگر گرو بباں دائم | دعائے دولتش گویند نزدِ ربِ الاعلیٰ
رفیع القدر صاحب دولتے پاکے کہ در عالم | نبود است و نباشد مثل او بے مثل و بے ہمتا
خدایا تا جہاں باشد بدولت باشد پادشہ | خداوندِ جہاں یار و معینِ ناصر الاعداء

مذہب

حضرت امیر خسرو رح کا مذہب سنت و جماعت تھا۔ حنفی طریق اعتقاد سے دل نوازی تھا۔ جس میں صوفی مشربی اور مرشد کامل کی توجہ نے حقائق و معارف کے دروازے کھول دیئے تھے وہ احکام اور فرائض شریعت کو کمال عقیدت اور نیازمندی سے بجا لاتے تھے۔ باوجود شغل امارت اُن کی ریاضت اس قدر درجۂ اعلیٰ پر پہنچی تھی کہ چالیس برس برابر صائم الدہر رہے[1] ہر شب کو ایک کلام مجید ختم کرتے تھے اور نماز تہجد میں سات پارے پڑھا کرتے تھے[2]۔

عارف کامل مولانا جامی رح نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ پانچ مرتبہ خواب میں حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنے پیر حضرت سلطان المشائخ رح کے ہمراہ بطریق طے ارض سعادتِ حج سے مفتخر ہوتے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ رح سے منقول ہے کہ اگر قیامت کے دن خداوند تعالیٰ مجھ سے فرماویگا کہ دنیا سے میرے واسطے کیا لایا تو میں ترک اللہ کو پیش کرونگا آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کسی چیز پر ناز کرے گا اور میں اس ترک اللہ

[1] تاریخ فرشتہ۔ مونس الارواح۔ سفینۃ الاولیا۔ نفحات الانس۔ تاریخ فیروز شاہی وغیرہ +

[2] تذکرۃ الکاملین

[3] سیر الاولیا۔ مونس الارواح وغیرہ۔ [4] سفینۃ الاولیا۔ سبع سنابل +

کے سوزِ سینہ پر ناز کرونگا اور خدا مجھے اِس ترک کے سوزِ سینہ کے سبب بخشے[1] اِس موقعہ پر یہ شعر بھی آپ نے ارشاد فرمایا تھا ✦

گر ز بہرِ ترک ترکم ارّہ بر تارک نہند
ترک تارک گیرم و آمّا نہ گیرم ترکِ ترک

منقول ہے کہ سوزِ سینہ آتشِ عشقِ حقیقی سے اِس قدر تھا کہ پیراہنِ مبارک آپ کا قلب کی جگہ سے ہمیشہ سوختہ رہا کرتا تھا۔ بلکہ یہ کیفیت تھی کہ جس وقت نیا کپڑا پہنتے اُسی وقت دل کی جگہ سے جل جاتا تھا[2] ✦

اخلاق و عادات

امیر خسرو رح کی تصنیف و تالیف اور اُن کے حالات سے جو مصنفوں اور تذکرہ نویسوں نے لکھے ہیں واضح ہوتا ہے۔ کہ خوش اخلاقی۔ سخاوت و رستی۔ نیاز و خاکساری خوش مزاجی و بار باشی میں وہ اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ خدا ترسی اور رحم و شفقت اُن کی عام تھی۔ اُن کا مقولہ ہے کہ ہر کہ خود را بیند خدا را نہ بیند ہر کہ از خدا ترسد از و باید ترسید۔ مزاج میں تکلف بالکل نہ تھا۔ سب سے بے تکلف باتیں کرتے اور خلق و محبت کے موتی پروتے تھے کسی کی دل شکنی کرنا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ باوجود مصاحبت شاہی اور کمال جاہ و حشمت کے اپنے آپ کو کمترین مخلوق سے سمجھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں ✦

غرّہ بہ نزدیکیِ سلطاں مشو	بلبل باغے مگس خواں مشو
ہست وے از خرمنِ ہستی خسے	تا تو چہ باشی کہ کمی زو خسے

اُن میں تعصب نام کو نہ تھا ہر مذہب و ملت کے لوگوں سے ایسے خلوص و اخلاص

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ نفحات الانس ✦

[2] تذکرۃ الاولیاے ہند۔ سفینۃ الاولیا ✦

سے ملتے تھے کہ کسی طرح کی دوئی نہ معلوم ہوتی تھی۔ اُمراے اور بادشاہوں کے یہاں سے قصائد مدح وغیرہ کے صلے میں جو بےشمار دولت ملتی تھی وہ سب خیرات کر دیتے تھے۔ صرف اسی کو اپنے صرف میں لاتے جو خود کسب و محنت سے حاصل کرتے تھے۔ علاوہ دیگر شہادتوں کے خود ان کے کلام ذیل سے پایا جاتا ہے کہ محض ابنائے جنس کی ہمدردی اور حاجت براری کی غرض سے وہ اُمراء اور بادشاہوں کی خدمت اور مصاحبت کی زحمت اٹھاتے تھے:۔

من کہ نہادم ز سخن گنج پاک	گنج زر اندر نظرم چیست خاک
گر دہم تاج سر بلند	ور نتواں بازبہ دریا فگند
ورنہ دہد زاں خودم رائگاں	رنجہ نہ گردم چو تہی مایگاں
یک جو ازیں فن چو بہ داماں نہم	وہ کنم آنرا و بصد تن دہم
شیرم و رنج از پئے یاراں برم	نے چو سگ خانہ کہ تنہا خورم
ہرچہ کہ پنہاں کنی از محرماں	سنگ ہماں باشد و گوہر ہماں
مار کہ گنجش بود اندر مغاک	حاصل او چیست ازاں گنج پاک

ان کے کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بالطبع بادشاہوں کی صحبت اور مداحی کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک رباعی میں فرماتے ہیں:۔

رباعی

از گفتن مدح دل ہمیں بمیرد	شعر ار چہ ترو فصیح باشد
گردد ز نفس چراغ مردہ	گر خود نفس مسیح باشد

بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں سہ

چوں من نشوی کہ ہر زمانے سازم بہ دروغ داستانے

در دل کندت ہنر فزائی	پیشہ نہ کنی ثنا سرائی
کز مدح چو در طمع کشد پائے	در صفتِ سراں نباشدت جائے

ایک نصیحت آمیز خط میں بیٹے کو لکھتے ہیں۔

برنوازش بادشاہ نیز نازش نشاید زیرا کہ چشمۂ خورشید چنانکہ آبروئے دہد آبروئے نیز تواند برد۔ و دریا بداں آب کہ گوہر بر مردم رساند۔ مردم را نیز بگوہر تواند رسانید شعر

الا ان ذو العقل لم یعتمد علی الماء والنار والامر

(یعنی آگاہ ہو کہ صاحب عقل پانی اور آگ اور حاکم پر اعتماد نہیں کرتے) بادشاہ اگر چہ خنداں خنداں خزانۂ گوہر کشاید بداں فتح باب دل نہ باید بست کہ دراں حال صفت ضحاک دارد اگر چہ فریدوں واد گراست بیت

ہست دنداں سپید کردن شیر   از پئے لعل کردن دنداں

اس کے بعد شاعری اور مدح کی برائیاں بیان کرکے لکھتے ہیں۔ چوں چنیں است صلۂ شعر را کہ گدائی است حرام بحرمت تمام بر گدایانِ بے حرمت ایں کار باید گذاشت و تکیہ بہ مہر سکوت بہ دہاں زد و خطبہ القناعۃ مملکۃ را در ہفت اقلیم وجود بلند کرد۔ قناعت بادشاہی است۔ نظم

زشاعری چو من آرایدم چنیں آشام   زدم ز شرم چو قاروں فرود زیر زمیں

سفینۃ الاولیا میں داراشکوہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت شیخ سعدی رح دہلی میں امیر خسرو رح سے ملنے تشریف لائے اُس وقت ان کے پاس صرف ایک درہم اپنی خاص محنت کی کمائی کا موجود تھا وہ انھوں نے شیخ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ جو کچھ مال دنیوی میرے پاس ہے وہ یہ ہے جو کچھ ارشاد ہو اس میں سے مہیا کروں۔ شیخ نے ازراہِ ظرافت جواب دیا کہ اس کا تیل چراغ کے واسطے خرید لاؤ تاکہ تمام شب ہم تم ہم صحبت رہیں ؟

حاضر جوابی اور خوش اخلاقی

حضرت سلطان المشائخ رح کے یہاں ایک سیاح درویش مہمان تشریف لائے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد باتیں شروع ہوئیں سیاح نے ایسے دفتر کھولے کہ بہت رات گئے تک ختم نہ ہوئے حضرت نے انگڑائیاں جمائیاں بھی لیں مگر وہ سادہ لوح کسی طرح نہ سمجھے۔ حضرت نے اخلاق کی وجہ سے مہمان کی دل شکنی گوارا نہ کی اور بیٹھے سنتے رہے۔ امیر خسرو رح بھی حاضر تھے مگر خاموش بیٹھے ہوئے تھے جب آدھی رات کی نوبت بجی اس وقت حضرت نے ان سے فرمایا کہ خسرو کیا بجا ہے انہوں نے جواب دیا کہ آدھی رات کی نوبت بجی ہے۔ حضرت نے ان سے کہا کہ اس میں کیا آواز آتی ہے۔ فوراً جواب دیا کہ سمجھ میں تو ایسا آتا ہے۔ نان کہ خوردی خانہ برو۔ نان کہ خوردی خانہ برو۔ خانہ برو۔

نان کہ خوردی خانہ برو۔ نہ کہ بدست تو کردم خانہ گرو۔ خانہ برو۔ خانہ برو۔

حرف حرف کی حرکت و سکون پر خیال کرو۔ ایک ایک چوٹ کو کیا کیا پورا ادا کر رہے ہیں اور نہ کہ بدست تو کردم خانہ گرو۔ کو دیکھو کہ اس نے کیا کام کیا ہے[1]

امیر خسرو رح کے محلہ کے کنارے پر جمو نام ایک بڑھیا ساقن کی دکان تھی شہر کے بیہودہ اور اوباش لوگ اس کی دکان پر بھنگ چرس پیا کرتے تھے۔ جب امیر خسرو رح اپنے گھر آتے جاتے تو وہ بھی سلام کرتی اور کبھی کبھی حقہ بھر کر سامنے لے کھڑی ہوتی تھی۔ چونکہ انہیں کسی کی دل شکنی گوارا نہ تھی لہذا یہ بھی اس کی دلشکنی کے لحاظ سے دو ایک گھونٹ پی لیا کرتے تھے ایک دن اس نے ان سے کہا کہ آپ ہزاروں غزلیں۔ گیت۔ راگ سراگنی بناتے ہیں اور کتابیں لکھتے ہیں کوئی چیز اِس

[1] تذکرۃ الحیات ۱۲

لونڈی کے نام بھی بنا دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ بی چمّو بہت اچھا۔ کئی دن کے بعد اُسنے
پھر کہا کہ بھٹیاری کے لڑکے کے لئے خالق باری لکھ دی اگر لونڈی کے نام بھی کچھ لکھ
دو گے تو کیا ہوگا آپ کے صدقہ میں ہمارا نام بھی دنیا میں رہ جاوے گا اُس کے بار بار کے
کہنے سے کچھ خیال آگیا۔ کہا کہ بی چمّو سنو!

اوروں کی چوپہری باجے چمّو کی اٹھ پہری — بادشاہ کے یہاں تین دفعہ میں چوپہری نوبت بجا کرتی تھی امیر خسرو رح کہتے ہیں کہ یہ بادشاہوں سے بھی بڑی ہیں۔

باہر کا کوئی آئے نا ہیں آئیں سارے شہری — جنگلی گنواروں کا کام نہیں سفید پوش آتے ہیں پیالہ

ساف صوف کر آگے راکھے جس میں نا ہیں توسل — بھنگ معنے حاضر کرتی ہے جس میں تنکا ہو۔

اور دیکھے جہاں سینک سماوے چمّو کے واں موسل — بھنگڑ فخریہ کہا کرتے ہیں کہ وہ ایسی بھنگ پیتا ہے کہ جس میں گاڑھے پن کے سبب سینک کھڑی ہے۔ یہ چپ لوز کرتے ہیں کہ یہ ایسی بھنگ بناتی ہے کہ جسمیں موسل کھڑا رہے۔

امیر خسرو رح کی بدولت آج بی چمّو کا نام بھی دنیا میں چلا جاتا ہے[1]

اولاد

میری قاصر نظر سے کسی تاریخ یا تذکرہ میں امیر خسرو رح کی اولاد کا حال نہیں گذرا
انہیں کی مختلف تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ غیاث الدین احمد۔ عین الدین احمد
یمین الدین مبارک تین بیٹے تھے اور ان تینوں سے بڑی ایک بیٹی تھی یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ بیٹی کے پیدا ہونے کے بعد انہیں بیٹے کی بڑی آرزو تھی بیٹی کو مخاطب کرکے
فرماتے ہیں۔

[1] تذکرۂ آبحیات ۱۲

کاش ماہ تو ہم بچہ بودے ❊ در حسم طفلِ ہشت مہ بودے
لیک چوں دادہ خداے رواست ❊ باخداوگاں ستیزہ خطاست
من پذیرفتم آنچہ یزداں داد ❊ کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم بہرچہ از درِ اوست ❊ کاں دہد بندہ راکہ درخورِ اوست
ہرچہ او داد بس پسندیدست ❊ ہم دراول صلاح او دیدست
پدرم ہم زمادرست آخر ❊ مادرم نیز دخترست آخر
گرنہ پرور صدف نقاب شدے ❊ قطرۂ آب باز آب شدے
دانہ بے کشت کے ببار آید ❊ آسماں بے زمیں چہ کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم ❊ چوں مسیحا ز مریم معصوم
لیک بے مادرِ خجستہ وجود ❊ ولدے را نگفتہ کس مولود

امیر خسرو رح کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی اور اُن کی تعلیم و تربیت پر بہ دل وجان مصروف تھے۔ اُنھوں نے اپنی کل تصنیف و تالیف میں بیٹوں اور بیٹی کو قابل قدر نصیحتیں کرکے اُن کی آئندہ زندگی کے واسطے ایک مکمل دینی اور دنیوی دستور العمل بنا دیا تھا۔

مولانا عبد القادر بدایونی منتخب التواریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان فیروز شاہ کے زمانے کے بڑے شاعروں میں ملک احمدؒ امیر خسرو رح کا بیٹا تھا اور یہ بادشاہ کے مصاحبوں میں سے تھا اگرچہ اُس کا کوئی دیوان مشہور نہیں ہے۔ مگر اُس نے جو متقدمین کے کلام میں دخل دیا ہے وہ اکثر لوگوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ ظہیر فاریابی کی اِس بیت میں تصرف کیا ہے ؎

کلاہ گوشۂ حکم تو از طریق نفاذ ❊ ربودہ از سرِ گردوں کلاہِ جباری

ملک احمدؒ نے کہا کہ اِس طرح ہونا چاہئے تھا ؎

زہے طپانچۂ قہرِ تو از طریقِ نفاق	فگندہ از سرِ گردوں کلاہِ جباری

دیگر ظہیر

ایں سہل سہل بود کہ گو گردِ سرخ خواست	گر نانِ خواجہ خواستی آنراچہ کردہ

ملک احمدؒ

ایں سہل سہل بود کہ آبِ حیات خواست	گر نانِ خواجہ خواستی آنراچہ کردہ

ایک اِس بیت میں بھی تصرف کیا ہے۔

گر مشک خواند خاکِ درت را فلکِ مرنج	زرخ گہر بطعنِ حسنر بدار نشکند

ملک احمدؒ

گر لعل خواند سنگِ درت مشتری مرنج	زرخ گہر بطعنِ حسنر بدار نشکند

اِن کے علاوہ بعض اور شعر بھی نظر سے گذرے ہیں مگر یاد نہیں رہے اور چونکہ ملک احمدؒ جناب امیر خسرو رح کے یادگار تھے اِس سبب سے اُن کے اس تصرفات کو بادشاہ اور امیر اور فضلاے عہد بہت پسند کرتے اور غنیمت جانتے تھے صاحب منتخب التواریخ یا کسی دوسرے مؤرخ کی تحریر سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ملک احمدؒ امیر خسرو رح کے کس بیٹے کا خطاب تھا۔

سیر الاولیا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امیر خسرو رح کا ایک بیٹا امیر حاجی کے نام سے موسوم تھا اور ایک دن اُس نے امیر خسرو رح کی غزل جس کا مقطع یہ ہے حضرت سلطان المشائخ رح کے روبرو اِس خوش الحانی سے گائی تھی کہ آپ کو نہایت ذوق اور وجد پیدا ہوا تھا۔

خسرو تو کیستی کہ درآئی دریں شمار
کیں عشق تیغ بر سرِ مردانِ دیں زدہ است

ایجاد و اختراع

صانع قدرت نے امیر خسرو رح کے دل و دماغ میں عقل و دانائی کا وہ بیش بہا خزانۂ جواہر موج زن کیا تھا کہ یہ صاحبِ کمال نہ صرف ایک بلند خیال شاعر اور انشا پرداز ہی تھا بلکہ جامع علوم ظاہری و باطنی اور منبع کمالات صوری و معنوی تھا۔ جس فن کو دیکھئے اسی میں اسے کمال حاصل تھا۔ تاریخی میدان میں وہ ایک صاحب نظر مورخ اور فقہ کے عالیشان دربار میں ایک دانشمند فقیہ اور تصوف کے رنگ میں ثانی شبلی رح و بایزید رح اور فن موسیقی میں کامل الفن اور شہرۂ آفاق تھا۔

ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی کا یہ لکھنا کہ ایسا صاحب کمال جس کو اس قدر فنون میں کمال حاصل ہو نہ پیدا ہوا ہے اور نہ امید ہے کہ قیامت تک پیدا ہو کچھ زیادہ مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتا۔

آپ کی طبع رسا کو فن موسیقی میں ایسا دخل حاصل تھا کہ بڑے بڑے صاحب کمال موسیقی داں اور گوتے آپ کی شاگردی کو فخر سمجھتے تھے نایک گوپال جو اپنے وقت میں اس فن کا استاد اور یکتائے زمانہ تھا دکن سے صرف آپ کی شہرت و کمال کا حال سنکر دہلی آیا اور مدتوں آپ کی صحبت میں رہ کر کمال حاصل کیا اسی

ملن جس ساونت بھی جو فن موسیقی کے کاملین میں شمار ہوتا ہے۔ آپ ہی کا صحبت یافتہ تھا[1]۔

آپ کی طبیعت اختراع میں اعلےٰ درجہ صنعت و ایجاد کا رکھتی تھی فن موسیقی میں کئی چیزیں آپ کی ایجاد کردہ ہیں۔ دھرپت کی جگہ قول و قلبانہ بنا کر بہت سے راگ ایجاد کئے اور گیت بنائے ہیں۔ قبولیت عام واقعی خداداد چیز ہے اس صاحب کمال کے کلام کو خدا نے ایسی قبولیت عام کی دولت عطا فرمائی ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ زمانہ چھ سو برس آگے بڑھ آیا زبان کچھ سے کچھ ہو گئی مگر اُن کے بنائے ہوئے گیت اسی طرح آج تک ہندوستان کے زن و مرد کی زبان پر جاری ہیں ورنہ لوگوں نے ہزاروں گیت بنائے اور گانے والوں نے گائے۔ آج ہوئے کل بھول گئے۔ دہلی اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں برسات کے موسم میں عام عورتیں جھولے ڈالتی ہیں اور مل مل کر جھولتی اور گیت گا کر اپنا جی خوش کرتی ہیں اُن میں شاید ہی کوئی عورت ہو جو یہ گیت نہ گاتی ہو:۔

گیت

جو پیا آون کہہ گئے۔ اجھوں نہ آئے سوامی ہو۔ اے جو پیا آون کہہ گئے۔ آون آون کہہ گئے آئے نہ بارہ ماس۔ اے ہو جو پیا آون کہہ گئے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ گیت بھی آپ ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے اور بڑا راگ میں کے بھی انہیں کی رکھی ہوئی ہے۔ بڑی بڑی عورتوں کے گانے کے لئے تو ایسے گیت تھے چونکہ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو پیا اور سوامی کی یاد میں اس طرح گانا مناسب نہ تھا لیکن دل میں اُمنگ تو وہ بھی رکھتی تھیں اُنھیں بھی فصل

[1] مطلع العلوم۔

کی بہار منائی تھی اُن کے لئے اور گیت بنائے تھے جس میں سے ایک یہ ہے +

اماں میرے باوا کو بھیجو جی . . . کہ ساون آیا یعنی مجھے آکر لیجاوے
بیٹی تیرا باوا تو بڈھا ری . . . . کہ ساون آیا یعنی وہ کیونکر آسکتا ہے۔
اماں میرے بھائی کو بھیجو جی . . . . کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بھائی تو بالا ری . . . . کہ ساون آیا یعنی بچہ ہے کیا اتنی دور کیونکر آوے۔
اماں میرے ماموں کو بھیجو جی . . . کہ ساون آیا
بیٹی تیرا ماموں تو بانکا ری . . . . کہ ساون آیا بھلا وہ کب میری سنیگا [1]

بہار راگ اور بسنت کے میلے نے بھی امیر خسرو رح کی طبیعت سے ستار رنگ پکڑا ہے اور ستار کی ایجاد کا فخر بھی آپ ہی کو حاصل ہے جو بین کو مختصر کرکے ایجاد کیا ہے [2] +

مسلمانوں میں بسنت

جس طرح ایران و توران اور خراسان وغیرہ میں بہار کا موسم دلوں کو شگفتہ کرتا ہے میلہ بسنت اور اس میں طرح طرح کی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں اس موسم میں فصل بہار کے قدرتی جوبن سے اہلِ ہند کے دلوں میں ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے اور اس موقع پر بسنت کا تیوہار جو بسنت پنچمی کے نام سے مشہور اور موسم بہار کی ابتدا میں جب ماگھ کے مہینے میں دس دن باقی رہ

[1] آبحیات +
[2] مطلع العلوم و آبحیات وغیرہ +

بانتے ہیں منایا جاتا ہے۔ بسنت ہی سے ہولی کے مستانہ تیوہار کے رنگ اڑنے۔ پچکاریاں چھٹنے۔ گلال کے قمقمے چلنے۔ لوگوں کے جھوم جھوم کر مستانہ چال سے گانے بجانے کی ابتدا شروع ہوجاتی ہے۔ اس دن راجہ۔ مہاراجہ بسنتی پوشاک زیب بدن کرکے، دربار کو سجاکے خوشیاں مناتے ہیں۔ عوام الناس جنگلوں میں جاکر سرسوں کے بسنتی پھول اور سبزے کی قدرتی آرایش کا نہایت ذوق و شوق سے نظارہ کرتے ہیں۔ مالنیں سرسوں کے پھول اور گیہوں وغیرہ کی بالیں ہر گھر میں پہنچاتی ہیں۔ مختلف شہروں قصبوں میں میلے ہوتے ہیں جن میں زن و مرد بسنتی کپڑے پہن کر شریک ہوتے ہیں۔ غرضکہ بسنت پنچمی کے دن جدھر دیکھو بسنتی سماں ہی نظر آتا ہے۔

جب ایسی دو قومیں جن کی طرز معاشرت رسم و رواج ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں باہم ملتی ہیں تو ہر وقت کے ایک جگہ رہنے سہنے۔ ملاقات و محبت سے ایک کے رنگ و روپ کا سایہ دوسرے پر پڑنا ضروری بات ہے۔ چنانچہ ہندو مسلمانوں کے مدتوں کے میل جول نشست و برخاست سے ایک دوسرے کی گفتگو۔ لباس۔ خوراک۔ مختلف رسومات وغیرہ پر بھی بہت بڑا اثر پڑا۔ جس کا اندازہ عام طور سے محسوس ہوتا ہے۔

یہ امر تو تاریخ سے ثابت ہے کہ مسلمانوں میں بسنت کے میلے نے ہندوستان کے بلبل ہزار داستان حضرت امیر خسرو رح کی زندہ دل اور جدت پسند طبیعت سے رنگ پکڑا ہے۔ لیکن تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی ابتدا کس طرح سے شروع ہوئی۔ اس کی نسبت جناب حسن نظامی صاحب خواہرزادہ حضرت سلطان المشائخ رح نے غالباً زبانی خاندانی روایت کی بنیاد پر پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۱۳۔ فروری ۱۹۰۸ء میں ایک مضمون تحریر فرمایا

ہے۔ جسے تخفیف کمی و بیشی کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ساتویں صدی کے اختتام پر حضرت سلطان المشائخ رح کے حقیقی بھانجے مولانا تقی الدین رح نوح نے جو چھوٹے بھائی خواجہ رفیع الدین ہارون کے تھے عاین عنفوان جوانی میں بعارضۂ دق اس دارِ ناپائدار سے انتقال فرمایا حضرت سلطان المشائخ رح کو اپنے اس لائق ہونہار او سعید و صالح بھانجے سے بہت الفت تھی۔ صاحب سیر الاولیا کا بیان ہے کہ حالتِ زندگی مولانا تقی الدین نوح میں ایک مرتبہ حضرت سلطان المشائخ رح سخت بیمار ہوئے اور حالتِ بیماری میں آپ نے مولانا کو اپنے روبرو طلب فرما کر بہت سے درویش اور مشائخین کے روبرو خلافت عطا فرمائی اور حسب ذیل وصیت کی۔

"باید کہ ہر چہ بر نور سد نگاہ نداری و آں را بخرچ رسانی اگر بہ تو چیزے نباشد ہیچ دل خود را نگراں نداری کہ خدا ترا خواہد داد و ہیچ کسے را بد نخواہی و از خدا ہم بیچے را بد نخواہی و جفا را بہ عطا بدل کنی و دیہ وادرا نستانی کہ درویش قرار دارد و ادرار خوار نباشد۔ اگر تو چنیں باشی بادشاہاں بر در تو آیند۔"

حضرت سلطان المشائخ رح کو اس صاحبزادے کے انتقال سے ایسا صدمہ ہوا کہ عالم سکوت کا طاری ہو گیا یہاں تک کہ اس صدمہ کی وجہ سے چھ ماہ تک آپ نے تبسم نہیں فرمایا۔ حضرت کے یاران اور مریدانِ جاں نثار کے علاوہ تمام دہلی میں ان صاحبزادے کے انتقال سے عالم ماتم او کہرام تھا خصوصاً حضرت امیر خسرو رح کو علاوہ اپنے رنج و صدمے کے حضرت سلطان المشائخ رح کے اس صدمہ اور سکوت کی وجہ سے کسی وقت قرار نہ تھا۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ کوئی سامان حضرت کی شگفتگی اور غم غلط ہونے کا پیدا کیا جاوے۔ ایک دن وہ مع اپنے چند دوستوں کے جنگل کی سیر کرتے پھرتے تھے۔ بہار

کے خوش نما موسم کا آغاز تھا۔ ہرے ہرے کھیتوں میں سرسوں کے زرد پھول بہار دکھا رہے تھے۔ سامنے پہاڑی پر کالکاجی کا مندر تھا بسنت پنچمی کا دن تھا مندر پر میلہ لگا ہوا تھا اور مورت پر سرسوں کے پھولوں کا مینہ برس رہا تھا اور اکثر لوگ عجیب خود رفتگی سے ترانے الاپ رہے تھے۔ جب امیر خسرو رح نے یہ حال دیکھا اس خوش نما سین کا اُن کے دل پر بہت بڑا اثر پڑا۔ اسی وقت فارسی اور ہندی کے چند شعر موزوں کئے۔ جنگل سے سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو ذرا پیچ کر کے اس طرز سے باندھا کہ مستانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ اسی ہیئت سے ان اشعار کو پڑھتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ رح اُسوقت حسب دستور مرحوم خواہر زادہ کے مزار پر تشریف لائے تھے اور قریب ہی ایک برج میں رونق افروز تھے۔ آپ امیر خسرو رح کی یہ مستانہ ادا دیکھ کر اور فارسی اور ہندی کے اشعار اس رنگ میں سن کر بہت محظوظ ہوئے اور کامل چھ مہینے کے بعد تبسم فرمایا۔ اس دن سے آج تک بسنت پنچمی کے دن جب ہندو کالکاجی کے مندر پر جاتے ہیں تو دہلی اور قرب و جوار کے خاص اور ممتاز صوفی چند قوالوں کو لے کر سرسوں کے پھول ہاتھ میں لئے اشعار پڑھتے ہوئے اوّل اس مقام پر جہاں حضرت سلطان المشائخ رح اس دن تشریف رکھتے تھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے خواہر زادہ مولانا تقی الدین نوح کے مزار پر ہوتے ہوئے حضرت کے روضۂ اقدس پر آتے ہیں کسی تاریخی کتاب میں وہ اشعار درج نہیں ہیں صرف ایک شعر فارسی اور چند ٹھمریاں ہندی کی قوالوں کی زبان پر باقی رہ گئی ہیں۔ وہ شعر یہ ہے۔

اشکِ ریز آمد است ابرِ بہار ساقیا گل بریز و بادہ بیار

قوال ہندی کی ٹھمریوں کو پڑھ پڑھ کر اسی شعر کو بار بار دہراتے ہیں ہندی میں عرب یار توری بسنت مناتی بہت موثر ہے۔

اصل واقعہ تو یہ ہے کہ دہلی میں پندرہ دن مختلف درگاہوں پر بسنت کے اسلامی میلے نہایت دھوم دھام اور ناچ رنگ کے جلسوں سے ہوتے ہیں جن میں ہزاروں روپے صرف ہو جاتے ہیں۔ آگرے میں بھی شہر کے تمام پیشہ ور مسلمان سیلیں لے لے کر جنگلوں میں بسنت مناتے اور حلوا پوری اڑاتے ہیں اور گھروں میں عورتیں بھی بسنتی کپڑے پہن کر کڑاہیاں چڑھا کر پکوان کرتی ہیں اور مل مل کر بسنت کے گیت گاتی ہیں۔ اور شمالی ہند کے اکثر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں میں کم و بیش بسنت کی رسمیں جاری ہیں۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک کوچہ سے امیر خسرو رح کا گذر ہوا دھنیا ایک دوکان پر روئی دھنک رہا تھا کسی نے کہا کہ جس دھنئے کو دیکھو ایک ہی انداز پر روئی دھنتا ہے۔ سب ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں کوئی بولا قدرتی استاد نے سب کو ایک ہی انداز پر سکھایا ہے آپ نے فرمایا کہ سکھایا بھی ہے اور ایک حرکت میں بھی تال کو جانے نہیں دیا۔ کوئی بولا لفظوں میں کیونکر لا سکیں فرمایا۔ درپئے جاناں جاں ہم رفت۔ جاں ہم رفت۔ رفت رفت۔ جاں ہم رفت این ہم رفت و آں ہم رفت۔ آں ہم رفت۔ آں ہم رفت۔ اینہم آنہم۔ اینہم آنہم رفت رفتن۔ رفتن رفتن دہ۔ دِہ۔ دِہ۔ رفتن دِہ۔ رف۔ رف۔ رفتن دِہ۔ رفتن دِہ [1]

---

[1] تذکرہ آب حیات +

قوالی

روشِ قوالی جو آج کل جاری ہے یہ بھی حضرت امیر خسرو رح کی ایجاد سے ہے اِس سے پہلے اگرچہ سرود و سماع جملہ خواجگانِ چشت قدس اللہ ارواحہم سنتے تھے مگر کوئی قاعدہ اور طریقہ مقرر نہ تھا چونکہ حضرت سلطان المشائخ رح کو سماع سے بہت شوق تھا اِس وجہ سے امیر خسرو رح نے صوفیانہ طریقہ سماع میں بہت سی نئی باتیں اور قاعدے ایجاد کرکے اُس کو قوالی کے نام سے موسوم کیا اکثر حضرت سلطان المشائخ رح آپ کو بخطاب مفتاح السماع یاد فرمایا کرتے تھے ؛ [1]

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ رح کی یہ خواہش ہوتی کہ قوالی سنیں تو امیر خسرو رح اور میر حسن رح حضرت کے جانب راست بیٹھتے اور مبشر غلام زرخرید آپ کا جانب چپ بیٹھتا تھا مجلس میں درویشانِ صاحب کمال اور صوفیانِ اہلِ وجد و حال کثرت سے جمع ہوتے تھے اول امیر خسرو رح صوفیانہ طریقے سے غزلیں اور بیتیں پڑھتے اور جس بیت پر حضرت سلطان المشائخ رح اپنا سر ہلاتے اُس کو امیر حسن رح اور مبشر مکرر سہ کرر زبان پر لاتے اور ایسا سماں باندھتے تھے کہ حضرت وجد میں آجاتے تھے [2]

صاحب سیر الاولیا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن جبکہ غیاث پور میں میرے والد ماجد کے مکان پر امیر خسرو رح نے حضرت سلطان المشائخ رح اور بزرگانِ شہر کی دعوت فرمائی تھی سماع شروع ہوا۔ اوّل بہلول قوال نے امیر حسن رح کی یہ غزل گائی۔

---

[1] سفینۃ الاولیا۔ سبع سنابل۔ تذکرہ اولیائے ہند + [2] تذکرۃ الواصلین۔ تاریخ فرشتہ ۱۲

زہے ترکے کہ از چینِ ابرو	کماں پیدا کند پنہاں ز تدبیر
بگوشِ مدعی کے جائے گیرد	مزامیرے کہ مست اندر مزامیر

اس کے بعد امیر خسرو رح نے اپنی غزل شروع کی لیکن صرف مطلع پڑھ کر اسکو چھوڑ دیا اور شیخ سعدی رح کی یہ غزل شروع کر دی اور اس خوش الحانی سے گائی کہ تمام حضار مجلس کو رقت پیدا ہوئی۔

معلمت ہمہ شوخی و دلبری آموخت جفا و ناز و عتاب و ستمگری آموخت

اسی طرح جب اپنی غزل شروع کرتے صرف مطلع پڑھ کر دوسرے کی غزل شروع کر دیتے تھے۔ مجلس ختم ہونے کے بعد کسی نے ان سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ جب آپ اپنی غزل شروع کرتے تھے صرف اس کا مطلع پڑھ کر دوسرے کی غزل شروع کر دیتے تھے جواب دیا کہ جب میں اپنی غزل شروع کرتا تھا اس قدر معنے ہجوم لاتے تھے کہ اس کے ضبط سے حیران ہوکر دوسرے کی غزل شروع کرتا تھا۔

یہ بھی صاحب سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت امیر خسرو رح کو قوالی میں ذوق پیدا ہوا اور وہ ہاتھ اٹھا کر رقص کرنے لگے۔ اس وقت حضرت سلطان المشائخ رح نے ان کو اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ تم دنیا سے تعلق رکھتے ہو۔ تمہارے واسطے جائز نہیں ہے کہ ہاتھ اٹھا کر رقص کرو۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کیا خوب فرماتے ہیں۔

رقص وقتے مسلمت باشد کاستیں کز دو عالم افشانی

ایک مرتبہ ایک گویّے اور حضرت امیر خسرو رح سے موسیقی اور شاعری کے متعلق بحث ہو پڑی۔ دربار شاہی کا گویّا جو اصول ادب سے پورا واقف اور مختلف علوم کا ماہر تھا کہنے لگا کہ موسیقی کو علم حکمت میں شمار کیا گیا ہے۔ اور

بسیقی دلوں پر خاص اثر ڈالنے کا ذریعہ ہے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں علم موسیقی اور شاعری دونوں سے واقف ہوں۔ موسیقی اگرچہ دلوں پر خاص اثر پڑتا ہے لیکن شعر خاص حکمت ہے اور موسیقی کو شعر کی ضرورت ہے۔ مگر شعر کو موسیقی کی ضرورت نہیں اُس کے لطائف بلا واسطہ موسیقی دل پر اثر کرتے ہیں۔ یہ دلچسپ مکالمہ یہ ہے سہ

حسن اخلاق از خسروِ منداں تواں کردن طلب
خر بود آں کو ادب جستن بسوئے خر بود
بے خرد را عیب نتواں کرد در ترکِ ادب
عیب نبود مور بر تختِ سلیماں گر بود
مطربے مے گفت خسرو را کہ اے گنجِ سخن
علمِ موسیقی ز جنسِ نظم نیکو تر بود
زانکہ ایں علمے ست کز دقت نیاید بر قلم
واں نہ دشوار است کاندر کاغذ و دفتر بود
پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم
ہر دو را سنجیدہ بر وزنے کہ آں بہتر بود
فرق من گویم میانِ ہر دو معقول و درست
تا دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود
نظم را علمے تصور کن بنفسِ خود تمام
کو نہ محتاجِ سماع و صوت خنیاگر بود
گر کسے بے زیر و بم نظم فرو خواند رواست
نے معنی ہیچ نقصان نے بہ لفظ اندر بود

ور کند مطرب بلے ہاں ہاں و ہوں ہوں در سرود
چوں سخن نبود ہمہ معنئ او ابتر بود
نامے زن رایں کہ صوتے دارد و گفتار نے
لاجرم در قول محتاج کسے دیگر بود
پس دریں صورت ضرورت صاحب صوت و سماع
از برائے شعر محتاج سخن پرور بود
نظم را حاصل عروسی دان و نغمہ زیورش
نیست عیبے گر عروس خوب بے زیور بود
من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر
ور نہ داند پرسد از من ورنہ پرسد خر بود

ایک قلمی پرانی کتاب میں امیر خسرو رح کا ایک رقعہ بھی علم موسیقی کی نسبت نظر سے گذرا ہے جس کی نقل درج کی جاتی ہے جس مقام سے پڑھا نہیں گیا وہاں لکیر کھینچ دی گئی ہے۔

رقعہ بعلم موسیقی بہ یار تحقیقی

بشنو اے یار حقیقی علم موسیقی عجب علم ایست۔ طوطئ قفس ناطقہ بے علائق جسمانی در شکرستان ذوق محظوظ گشتہ و عندلیب ارواح از زمزمۂ روح افزا روح الارواح پر شوق محو شدہ در قالب در آمد۔ و قانون نغمہ عیش وارغنون عشرت و طنبور طرب ساز کردہ بایں ترانہ تن زد بیت
تن چو در آید بہ نوائے سرود ——— آہنگ ہوائے تو بود
سبحان اللہ عجیب و غریب ترانہ است کہ مردان صاحب حال در عشق ابروماہ

ہلال از پردہ مدار برآمدہ۔ سوائے غزل و آہنگ چنگ در سماع آمدند بغیر نشاء آب انگور ——— عرب و عجم سرمست شدہ از کوچک، و بزرگ دست افشاں و پاے کوباں تن تن تن گویاند **بیت**

تن تن نبوت سے دل تاتن رتن بدانی　　تانقش ہر تنے را نہ ہر تنے بخوانی

مدعا کہ ہیچ شمہ مارا ازیں ساز پرگداز رہائی نیست **بیت**

چہ رہ بود ایں کہ زد در پردہ مطرب　　کہ مے رقصند باہم مست و ہشیار

تانہ عشاق ——— در حقیقت و مجاز و سوز یوز اصفہان و عراق بہ فراق چہ رسد اولے و انسب آنست کہ ہوشمند دانش پیوند ——— شاخ نہ نہاد نیرنگ تبریز ——— انگیز وصدات در آور بگو سراہ کم بکند پیوستہ سلک سلوک سلک ولو سلک کہ نوا ——— سوز انداز سما تا سمک از دست ندہ و مقامات اصل شتافتہ ہموارہ آں یگانہ در دوگانہ شب و روز سہ گانہ موالید عشرت جہان افروز و چہار ارکان حیرت نشان بہ ادائے بے ریائی پنجگانہ خلاصہ اوقات را معروف دارد۔ یقین داں کہ دریں حال قوالان مغلوب و مسکوب و راست کاران برگزیدہ محجوب۔ **ع**

از ہمہ غم رستی اگر راستی

ملا عبدالحمید لاہوری بادشاہ نامہ میں بواقعات ۱۰۴۷ھ ایک واقعہ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ قبل امیر خسرو رح کے ہندوستان کے قدیم گویوں کا مدار تصانیفی پر جیسے گیت اور چندو اور دہرو اور سنت کہتے ہیں تھا لیکن چونکہ یہ نغمات کرناٹکی زبان میں تھے جسے اِس طرف کے آدمی نہیں سمجھتے تھے اِس وجہ سے سامعین کو کچھ لطف نہیں آتا تھا امیر خسرو رح نے حسب ذیل چار نئے راگ ایجاد کیئے۔

اوّل قول بقانون گیت جو بزبان عربی یا فارسی نظم یا نثر پر مشتمل تھا اور جس کی بنیاد ایک یا دو یا تین یا چار تال پر رکھی تھی۔

دوم فارسی۔ اِس میں اشعار فارسی کو ساتھ ترانہ کے اوپر ایک تال کے فراہم کیا تھا۔

سوم ترانہ۔ کہ بے اشعار کے بنیاد اس کی اوپر ایک تال کے رکھی تھی۔

چہارم تصانیفی۔ ہندی زبان میں مثل خیال وغیرہ کے ایجاد کئے ہیں۔

ہماری زبان اُردو اور امیر خسرو رح

اُردو بولنے والے بہت سے لوگ اِس امر سے واقف ہیں کہ ہماری زبان اُردو کی ماں برج بھاشا ہے جو ہندوستان میں اہلِ اسلام کے آنے سے پہلے شمالی ہند کے عوام کی زبان تھی اِس کے بعد جو مسلمان ہندوستان میں آئے وہ عام طور سے وہی رائج الوقت فارسی بولتے تھے جس میں عربی تر کی الفاظ کثرت سے موجود تھے چونکہ ہر وقت ایک جگہ کے رہنے سہنے۔ باہمی مقدمہ معاملہ۔ لین دین میں ایک دوسرے کے الفاظ کے بغیر بولے چارہ نہ تھا اِس ارتباط اور اختلاط سے قدرتاً ایک تیسری زبان پیدا ہونا شروع ہوئی۔

یہ امر غالباً دلچسپی سے دیکھا جاوے گا کہ اقلیم تصنیف و تالیف میں سب سے پہلے امیر خسرو رح کی اختراع پسند طبیعت نے ایک نیا طلسم خانہ انشا پردازی کا کھولا یعنے برج بھاشا کی زمین میں فارسی کا بیج بویا اور اس سے وہ ہونہار بچہ عالم ظہور میں آیا جس نے پیدا ہو کر ہندی اور ہوش سنبھال کر ریختہ اور جوانی کے عالم پر پہنچ کر اُردو نام اختیار کیا۔ خالق باری جس کا اختصار آج

ملت بچوں کے ورد زباں ہے اِسی طلسم خانہ انشاء پردازی کی بنیاد ہے۔ یہ اس وقت کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی اِس کے علاوہ بہت سی پہیلیاں۔ کہ بیاں انمل۔ دوسخنے وغیرہ امیر خسرو رح کی یادگار سے اِس وقت تک باقی ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ جیسی اس زمانہ میں یہ چیزیں مقبول خلائق تھیں ویسی ہی آج بھی ہیں نمونہ کے طور پر ان میں سے کچھ درج کی جاتی ہیں۔[1]

آنکھوں کے علاج میں ایک مجرب نسخہ دوہروں کی بحریں میں لکھتے ہیں۔

لودھ۔ پھٹکری۔ مردہ سنگ	ہلدی۔ زیرہ ایک ایک ٹنک
افیون چنا بھر رچیں چار	آورد برابر تھوتھا ڈار
پوست کے پانی پوٹلی کرے	ترت پیڑ نینوں کی ہرے

پہیلیاں

بنولی کی پہیلی۔

تر ور سے ایک تریا اتری اُسنے بہت رجھایا
باپ کا اُسکے نام جو پوچھا آدھا نام بتایا
آدھا نام پیا پر پیارا بوجھ پہیلی موری
امیر خسرو یوں کہیں اپنا نام بنولی

آئینہ کی پہیلی۔

فارسی بولے آئینہ ترکی سوچے پائے نا
ہندی بولی آرسی آئے مُنہ دیکھو جو اسے بتائے

ناخن کی پہیلی۔ بیسوں کا سر کاٹ لیا۔ نامارا نا خون کیا۔

لال کی پہیلی

اندھا گونگا بہرا بولے گونگا آپ کہائے	دیکھ سفیدی ہوت انگارا گونگے سے بھڑ جائے
باس کا سندروا کا باشا۔ باشے کا وہ کھاجا	سنگ ملے تو سر پر راکھیں واکو راجا

[1] تذکرہ آب حیات ۱۱

سی سی کرکے نام بتایا تامیں بیٹھا ایک	اُلٹا سیدھا ہر پھر دیکھو وہی ایک کا ایک
بھید پہیلی میں کہی تو سن لے میرے لال	عربی ہندی فارسی تینوں کرو خیال

مکرنیاں

مکرنیوں کا موجد بھی امیر خسرو رح کو کہا جاتا ہے۔

مکرنی (۱) سگری رین موہے سنگ جاگا	بھور بھئی تو بچھڑن لاگا
اسکے بچھڑے پھاٹت ہیا	اے سکھی ساجن۔ نا سکھی دیا
مکرنی (۲) سرب سلونا سب گن نیکا	وا بن سب جگ لاگے پھیکا
واکے سر پر ہووے کون	اے سکھی ساجن۔ نا سکھی لون
مکرنی (۳) وہ آوے تب شادی ہوئے	اُس بن دوجا اور نہ کوئے
میٹھے لاگیں واکے بول	اے سکھی ساجن۔ نا سکھی ڈھول

انمل

ایک کوئیں پر چار پن ہاریاں پانی بھر رہی تھیں راستہ چلتے چلتے امیر خسرو رح کو پیاس لگی کوئیں پر جاکر ایک سے پانی مانگا اُن میں سے ایک انہیں پہچانتی تھی اُس نے اوروں سے کہا کہ دیکھو کھسرو (خسرو) یہی ہے اُنہوں نے پوچھا کہ تو خسرو رح ہے جسکے سب گیت گاتے ہیں اور پہیلیاں او رکرنیاں اور انمل سنتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اس پر ان میں سے ایک بولی کہ مجھے کھیر کی بات کہدے۔ دوسری نے چرخے کا نام لیا۔ اور تیسری نے ڈھول۔ چوتھی نے کُتّے کا۔ انہوں نے کہا کہ پیاس کے مارے دم نکلا جاتا ہے پہلے پانی تو پلا دو وہ بولیں کہ جب تک ہماری بات نہ کہدے گا پانی نہ پلاویں گی۔ اُنہوں نے چاروں کی طرف

مخاطب ہوکر کہا۔

انمل۔کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا۔ آیا کتا کھا گیا۔ تو بیٹھی ڈھول بجا۔ لا پانی پلا ✣

ڈھکوسلا

ڈھکوسلا بھی آپ ہی کی ایجاد سے ہے۔

ڈھکوسلا۔ بھادوں کی پکی پیپلی۔ چوچو پڑی کپاس۔ بی مہترانی دال پکاؤ گی۔ یا ننگا ہی سو رہوں ✣

دو سخنے

ہندی۔ گوشت کیوں نہ کھایا۔ ڈوم کیوں نہ گایا ـــ گلا نہ تھا

جوتا کیوں نہ پہنا۔ سنبوسہ کیوں نہ کھایا ـــ تلا نہ تھا

ہندی فارسی۔ سوداگر را چہ مے باید۔ بوچے کو کیا چاہئے ـــ دوکان

تشنہ را چہ مے باید۔ ملاپ کو کیا چاہئے۔ چاہ

شکار بچہ مے باید کرد۔ قوت مغز کو کیا چاہئے۔ بادام

اِس طلسم خانۂ انشا پردازی کی ایک غزل بھی ملاحظہ ہو۔ اس میں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ بنیاد عشق کی عورت کی طرف سے قائم کی ہے جو کہ خاصہ نظم ہندی کا ہے۔

غزل

زحال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں	ورانہ
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں	
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف وروز وصلت چو عمر کوتاہ	

سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں - تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے - پیارے پی کو ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ز مہر آں مہ بگشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں - نہ آپ آویں - نہ بھیجیں پتیاں
بحق روز وصال دلبر - کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کے ورائے راکھوں - جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں[1]

ایجادات متعلق انشاپردازی

اس بلند خیال اور عالی دماغ باغبان نے گلستان انشاء پردازی میں جو نئے پیوند لگائے ہیں اُن کا اگر مفصل حال بیان کیا جائے تو اُس کے واسطے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے جن صاحبوں کو گلستان انشاء پردازی کی سیر کا شوق ہو وہ اُن کی کتاب اعجاز خسروی کو ملاحظہ فرماویں اور دیکھیں کہ اس صاحب کمال نے کیا کمال دکھایا ہے - اس مقام پر نمونہ کے طور چند معمے مترجم درج کئے جاتے ہیں - طریق خاص امیر خسرو رح کا وضع کردہ ہے - اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ معمہ میں لفظ فارسی کا لا کر عربی میں اور عربی کا لا کر فارسی میں ترجمہ کرکے معمے کو حل کیا جاتا ہے امیر خسرو رح کا دعوے تھا کہ وہ عربی فارسی ترکی ہندی چاروں زبان کے ہر نام کا خواہ وہ مفرد ہو یا مرکب معمہ بنا سکتے ہیں۔

[1] تذکرہ آبحیات ؛

ابوبکر - رباعی

شب خواجہ ابوبکر بدیدم در راہ
ماراچو زدرہائے عرب بیروں برد
گفتم کہ شوم زسترِ باشش آگاہ
برعکس سوار شدز تیزی ناگاہ

نمونہ کے طور پر اس معمے کا حل بھی درج کیا جاتا ہے ۔
درہائے کا ترجمہ عربی میں ابواب ہے اور ما کا ترجمہ آب - ابواب ہیں سے آب کو نکال لیا تو ابو باقی رہا - سوار شد کا ترجمہ رکب ہوا - اس کو لوٹا تو بکر ہوا اور دونوں کو ملایا تو ابوبکر ہوگیا -

حسین

اے خواجہ حسین بکرم نیکو نام
ہمے زفرو تیغ یمانی بشکن
در نام خود از بندہ شنو رمز تمام
وز بالا باز گونہ کن نیم نیام

فاطمہ

امشب کہ مرا بود بہ بازار گذر
لفظ اندازی برفت بالائے قمر
سے جستم از فاطمۂ خویش خبر
ماہے ببر شش بود بفتاد زسر

خدیجہ

آنم کہ مرا وصف شما حاجت نیست
رخسارۂ من از سر کوشش دیدی
نامت چو خدیجہ است ثنا حاجت نیست
کوشش نیک است رہنما حاجت نیست

ابراہیم

ابراہیما نام تو چون برخواندم — بنوشتم و مشک از سرِ کلک افشاندم
یک سوزنِ دُم شکستہ دیدم ناگاہ — اندر تہِ آن نگہ کہ حیران ماندم

زیبا

روے زیبا چو ماہ در مقنع بین — در ذکر و رخش غلغلہ در مجمع بین
او ماہ رفیع نام او ارفع بین — بالاش آبی و از فرودش مع بین

گنگا

گنگا کہ وے از لطف و صفا شد روشن — نامش برخواں کہ آبت آید بہ دہن
از دانہ سنبلہ ذنب بیروں بر — وانگاہ بگیر ثور و پالیش شکن

منقول ہے کہ جب مولانا جمالی کنبوہ دہلوی رح صاحب سیر العارفین ایامِ سیاحت میں شہر ہرات میں پہنچے۔ درازی سفر سے پریشاں حال تھے۔ قلندرانہ صورت ہو رہی تھی۔ سواے ایک تہ بند کے بدن پر دوسرا لباس نہ تھا۔ اسی حالت میں مولوی جامی علیہ الرحمۃ کو تلاش کرتے ہوئے اُن کے پاس پہنچے اور سلام علیک کر کے بے دھڑک اُن کے برابر جا بیٹھے۔ مولوی جامی رح کو ایک اجنبی قلندر کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ برافروختہ ہو کر بولے کہ "میان خر و تو چند فرق است"۔ مولانا نے بالشت بیچ میں رکھ دی۔ یہ برجستہ جواب سنکر مولوی جامی رح سمجھے کہ یہ بھی کوئی چیز ہے۔ تحمل سے بولے "کیستی" جواب ملا "از خاکسارانِ ہند"۔ ان کا کلام وہاں پہنچ چکا تھا۔ مولوی جامی نے پوچھا "از سخنانِ جمالی چیزے یاد داری" مولانا نے یہ شعر سنائے ؎

کز کے بوریا و پوستکے — دلکے پر ز دردِ دوستکے

تنگلے زیر و تنگلے بالا	نے غنیم دزدو نے غنیم کالا
ایں تدر بس .بو دجمالی را	عاشق ر لا ۂ بالی را

جامی رح نے فرمایا "طبع شعر داری" مولانا نے فی البدیہ حسب حال یہ مطلع پڑھا ؎

مارا زخاکِ کویت پیراہنے ست برتن ۔۔۔ آں ہم زآب دیدہ صد چاک تا بہ دامن

یہ پڑھ کر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بدن برہنہ تھا۔ گرد جمی ہوئی تھی سینہ پر آنسو گر کر گرد چاک چاک ہوگئی جامی رح سمجھ گئے کہ یہ ہی جمالی رح ہیں۔ بیساختہ اٹھ کر گلے ملے۔ تعظیم وتکریم کی اور نہایت گرم جوشی سے علمی باتیں چھڑ گئیں۔ مولوی جامی رح نے فرمایا کہ امیر خسرو رح کا بھی کوئی معمّا یاد ہے۔ جواب دیا کہ امیر کے معمّے دو قسم کے ہیں ایک قولی دوسرے فعلی۔ کس قسم کا معمّا سناؤں۔ مولوی جامی رح بولے کہ آج تک قولی معمّے سنے تھے۔ فعلی کیسے ہوتے ہیں۔ مولانا اول سیدھے کھڑے ہوگئے۔ پھر خمیدہ ہوئے۔ اس کے بعد ریش (ڈاڑھی) کو ہاتھ سے جھاڑا۔ اور کہا کہ حضرت امیر خسرو رح کا یہ فعلی معمّا ہے۔ مولوی جامی رح خود عالی دماغ اور نازک خیال تھے فوراً سمجھ گئے کہ یہ معمّا ادریس کے نام کا ہے۔ کیونکہ سیدھے کھڑے ہونے سے الف اور خمیدگی سے دال اور ریش جھاڑنے سے شین کے نقطے اڑانے مراد ہے ان سب کو ملایا تو ادریس ہوگیا۔ مولانا نے کہا بہت صحیح ہے۔

علمیت اور تصنیفات اور اُس پر رائے

انسان جب مرتا ہے تو اُس کا نام بھی مٹ جاتا ہے مگر صاحبانِ تصنیف وتالیف کی زندگی بھی عجیب اور اُن کی موت بھی عجیب ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ زندہ رہتے اور زندہ کہلاتے ہیں۔ اور زندوں کی طرح بولتے چالتے ہیں۔ چشمۂ آبِ حیات جسے ہم سنتے آئے ہیں وہ صرف ایک فرضی اور خیالی چشمہ ہے اُسکو نہ کسی نے دیکھا اور نہ اُس کا پانی پیا در اصل آبِ حیات تصنیف وتالیف اور نیک زندگی کا نام ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کو بقائے دوام کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امیر خسرو رح کے حالات زندگی کی نہایت دل آویز تصویر انکی نیک نام زندگی اور تصنیف وتالیف اور اُن کا بے نظیر کلام ہے کہ جس کی وجہ سے اِس صاحبِ کمال کو بقاے دوام کا مرتبہ حاصل ہے۔ زمانہ نے انکی تصنیف وتالیف اور مبارک کلام کو قبولیت عام کی سند عطا فرما کر فصاحت کے کتب خانہ میں جگہ دی ہے۔ ہندوستانیوں کے کلام میں جو قبولیت اور شہرت اس منتخب روزگار کے کلام کو حاصل ہوئی ہے وہ بہت کم کسی کے کلام کو نصیب ہوئی اور حقیقت تو یہ ہے کہ سرزمین ہند سے اس نادرۂ روزگار نے اُٹھ کر ایرانی اربابِ فضل وکمال پر روشن کر دیا کہ فصاحت وبلاغت صرف اُنہیں کا حصہ نہیں ہے اور اپنے اِس دعوے کی تائید میں بڑے بڑے فضلا

اور اہلِ کمال سے محضر لکھوالیا۔ مشرقی شعرا کے سرتاج اور اخلاقی فلاسفروں کے شہنشاہ حضرت **شیخ سعدی** علیہ الرحمۃ نے نہ صرف اُن کے کلام کو پسند کیا بلکہ شاہزادہ محمد سلطان کو یہ بھی لکھا کہ خسرو رح دہلوی اس فن میں کامل ہے اِس کو مغتنمات سے سمجھ کر عزیز رکھو[1]۔ عارفِ کامل **مولانا جامی** کا قول ہے کہ امیر خسرو رح نے ہر میدان میں قدم مارا ہے۔ قصیدے کہے۔ غزلیات کا دیوان لکھا۔ مثنویاں لکھیں۔ اور سب کو کمال کے درجے تک پہنچادیا۔

حضرت امیر خسرو رح عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ ہندی[2] چار زبانوں کے فاضل اور نظم و نثر دونوں میں یکساں کمال رکھتے تھے۔ آپ کی کثرتِ تصنیف و تالیف کا حال اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف آپ کی اُن کتابوں کی تعداد۔ جو سلکِ نظم میں منسلک کیں ننانوے ۹۹ اور آپ کے اشعار کی تعداد علاوہ کلام ہندی کے چار اور پانچ لاکھ کے درمیان میں بتائی جاتی ہے۔ حاجی **لطف علیخان** آذر صاحبِ تذکرہ آتشکدہ کا بیان ہے کہ اس تعداد میں سے ایک لاکھ اشعار خود میری نظر سے گذرے ہیں۔ **ضیاء الدین برنی** صاحبِ تاریخ فیروز شاہی تحریر کرتے ہیں کہ اُن کی تصنیف و تالیف اس قدر ہے کہ نظم و نثر میں گویا انھوں نے ایک کتب خانہ تصنیف کر دیا ہے +

قاعدہ ہے کہ علمی قدر دانی اور کتابوں کی حفاظت امن و امان کے زمانہ

---

[1] تذکرۃ الکاملین ۱۲

[2] حضرت امیر خسرو رح بھاشا کے علاوہ سنسکرت سے بھی واقف تھے مثنوی "نہ سپہر" میں اپنے سنسکرت سیکھنے کا ذکر اِس طرح فرماتے ہیں ؎ من قدرے بر سرِ ایں کار شدم + در دلِ شاں محرمِ اسرار شدم + ہرچہ باندازۂ خود در مزِ خرد + جستم ازاں قوم و نبود از در رد + ۱۲

میں ہوا کرتی ہے۔ امیر خسرو نے زمانہ اچھا نہ پایا خود ان کے عہد اور ان کی وفات سے شہنشاہ اکبر کی پُر امن سلطنت تک (یعنے ۷۲۵ھ؁ ۱۳۲۴ء سے ۹۶۳ھ؁ ۱۵۵۵ء تک) دو سو ڈھائی سو برس برابر طوائف الملوکی کا بازار گرم رہا۔ اگرچہ ہندوستانیوں کی یورپ والوں کی طرح کبھی اس طرف توجہ نہیں ہوئی کہ نامور شعراء اور مصنفوں اور دیگر ارباب کمال کی یادگاریں قائم کر کے ان کی تصنیف و تالیف اور کمالات کی یادگاروں کو حوادث روزگار سے محفوظ رکھنے کا انتظام کرتے مگر اس طوائف الملوکی اور روزمرہ کے ملکی تغیرات نے اور بھی کسی کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ ایسے سیکڑوں ہزاروں نادر و نایاب کتابیں کس پرسی کی حالت میں ہمیشہ کے لئے صفحہ دنیا سے نیست و نابود ہو گئیں۔ اس کے بعد اکبر و جہانگیر اور شاہ جہاں اور عالمگیر کی پُر امن سلطنت میں ان کی علمی قدر دانی سے جو ذخیرہ جمع ہوا اس میں سے کچھ تو ۱۸۵۷ء کے خوفناک غدر میں ضائع ہو گیا اور جو کچھ باقی بچا تھا وہ ہم جاہلوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ہماری صحبت سے بیزار ہو کر قدر دانان علم و فضل یعنے اہل یورپ کے کتب خانوں کو ہجرت کر گیا اور ان کی زیب و زینت کا باعث ہوا[۱]۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان ننانوے

[۱] یورپ میں اس وقت دو لاکھ سے زیادہ مشرقی قدیم کتابیں مختلف کتب خانوں میں نہایت احتیاط اور آراستگی سے رکھی ہیں سب سے زیادہ نایاب مجموعہ پیرس و فرانس میں ہے فلارنس۔ روم۔ ویانا۔ سینٹ پیٹرزبرگ وغیرہ میں زیادہ تر مشرقی مجموعہ فراہم ہے۔ اکسفورڈ کی لائبریری میں پروفیسر ساچاؤ کی مرتب کی ہوئی فہرست کے موافق ۱۸۸۹ء تک فارسی کی دو ہزار اڑتیس قلمی کتابیں داخل تھیں جس میں ستائیس کتابیں امیر خسرو کی تصنیف سے تھیں کیمبرج یونیورسٹی میں ۱۸۹۶ء تک تین ہزار سے زیادہ قلمی کتابیں مشرقی زبانوں کی موجود تھیں برٹش میوزیم لندن میں مختلف اقسام کی ساٹھ ہزار قلمی کتابیں جمع ہو چکی ہیں جن میں دس ہزار

کتابوں یا ایک کتب خانہ میں سے صرف چند کتابوں کے نام جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں ہمیں معلوم ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

مثنوی قران السعدین۔ مثنوی مطلع الانوار۔ مثنوی شیرین خسرو۔ مثنوی لیلی مجنون۔ مثنوی آئینۂ اسکندری یا سکندر نامہ۔ مثنوی ہشت بہشت۔ مثنوی خضر نامہ یا خضر خان و دول رانی۔ مثنوی نہ سپہر۔ مثنوی تغلق نامہ۔ خزائن الفتوح یا تاریخ علائی۔ انشائے خسرو یا خیالات خسرو۔ رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی۔ افضل الفوائد۔ راحت المحبین۔ خالق باری۔ جواہر البحر۔ مقالہ۔ قصہ چہار درویش۔ دیوان تحفۃ الصغر۔ دیوان وسط الحیات۔ دیوان غرۃ الکمال۔ دیوان بقیہ نقیہ۔

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ چند نسخے ان کی تصنیف سے علم موسیقی وغیرہ میں بھی ہیں۔

منقول ہے کہ جب امیر خسرو رح کوئی کتاب ختم فرماتے تھے تو اول اس کو حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت بابرکت میں پیش کرتے تھے۔ آپ اسکو اپنے دست مبارک میں لے کر فاتحہ پڑھتے اور بعد فاتحہ پڑھنے کے امیر خسرو رح کے ہاتھ میں دیدیتے تھے اور بعض مرتبہ کتاب کھول کر چند سطریں بھی پڑھ لیتے تھے۔ یہ بھی مشہور چلا آتا ہے کہ امیر خسرو رح نے ایک کتاب گلستاں کے جواب میں بھی لکھی تھی جب اسکو حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں بغرض فاتحہ لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ کل لانا اور اپنی چادر امیر خسرو رح کو دی کہ آج اس کو اوڑھ کر سو رہنا۔ امیر خسرو رح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸) طلائی ہیں۔ انڈیا آفس لندن میں بے شمار مشرقی کتابیں جمع ہیں۔ ان میں سیکڑوں کتابیں ایسی ہیں جو خود مصنفوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں یا اُن پر مصنفوں کے دستخط اور مُہریں ثبت ہیں۔ ان کے علاوہ یورپ میں خانگی اشخاص کے ہاتھوں میں بھی ہزاروں نایاب مشرقی کتابیں موجود ہیں۔

(ماخوذ از ایشیائی شاعری)

حسب ارشاد چادر اوڑھ کر سوئے۔ خواب میں دیکھا کہ دربار میں حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور ایک شخص حضرت کے روبرو کھڑا ہوا کسی کتاب میں سے کچھ پڑھ رہا ہے۔ امیر خسرو رح نے جب غور سے سنا تو معلوم ہوا کہ وہ یہ قطعہ پڑھ رہا ہے۔

بلغ العلے بکمالہٖ	کشف الدجے بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ	صلوا علیہ والہٖ

اس کے بعد امیر خسرو رح نے دیکھا کہ دربار کے ایک کونے پر حضرت سلطان المشائخ رح دست بستہ کھڑے ہوئے ہیں۔ جب صبح ہوئی امیر خسرو رح نے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب کا حال بیان کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری کتاب اُس صاحب کمال (شیخ سعدی رح) کی گلستاں کے مقابلہ میں کبھی مقبول نہیں ہو سکتی۔ امیر خسرو رح نے اُسی وقت جمنا پر جا کر وہ کتاب جمنا میں ڈبو دی۔

امیر خسرو رح کی فصاحت و بلاغت کی جو عظمت اور عقیدت ہندوستانیوں کے دل میں ہے وہ ذیل کے لطیفہ سے بخوبی واضح ہوتی ہے ؞

لطیفہ۔ ایک دن مرزا غالب مرحوم کے ایک شاگرد رشید نے اُن سے آکر کہا کہ حضرت آج میں امیر خسرو رح کی قبر پر گیا تھا۔ مزار پر کھرنی کا درخت ہے۔ اُس کی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا کہ گویا فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھئے تو میں کیسا فصیح ہو گیا ہوں۔ مرزا صاحب نے ازراہ ظرافت جواب دیا کہ ارے میاں تین کوس کیوں گئے۔ میرے پچھواڑے کے پیپل کی پیپلیاں کیوں نہ کھالیں۔ چودہ طبق روشن ہو جاتے۔

حضرت امیر خسرو رح کی تصنیف و تالیف مندرجہ بالا کا مختصر فوٹو یہ ہے۔

مثنوی قران السعدین

یہ مثنوی حضرت امیر خسرو رح نے سلطان معزالدین کیقباد کی فرمایش پر اسکے اور اس کے باپ ناصرالدین بغراخاں کی ملاقات کے حالات میں لکھی ہے اور آج جو کتابیں اُن کی تصنیف و تالیف سے موجود ہیں اُن میں سب سے پہلی تصنیف ہے۔ پروفیسر کاول صاحب نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جنرل ۱۸۶۰ء میں اس کتاب کی چند تمثیلیں تحریر فرما کر اس کی نسبت حسب ذیل رائے تحریر فرمائی ہے۔

یہ نظم جیسا کہ امیر خسرو رح کی کل تصنیفات کا حال ہے مبالغہ اور استعارات سے آراستہ ہے لیکن تاریخی واقعات عموماً سچائی کا پہلو لئے ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بہت کم نظمیں کسی زبان میں اصلی ترتیب اور واقعات کی خوبیوں کا نباہ کرسکتی ہیں اور جب ہم (تاریخ فرشتہ کی تحریر کا مقابلہ شاعرانہ حالت میں دیکھتے ہیں (یعنی تاریخی واقعات کو نظم میں پاتے ہیں) تو ہم کو ان کے اصلی مضمون کی مشابہت سے تعجب ہوتا ہے۔ جگہ جگہ واقعات کے اخیر میں غزلیں درج ہیں۔ جن سے شاعر کے دلی جذبات کا اُس زمانے کے حالات سے مطابق ہونے کا پتہ چلتا ہے جس زمانے کا حال اُس واقعہ میں بیان کیا گیا ہے اور اس کی مثال بالکل اُن گیتوں کے مطابق ہے جو ٹینین کی کتاب پرنسیس کے حصوں کے درمیان میں لکھے گئے ہیں۔ غزلیں مختلف بحروں میں ہیں اور کہیں کہیں دوران کتاب میں آکر جدت کا ایک خاص لطف پیدا کر دیتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُن سے قصے کے واقعات اور اُن جذبات امید و بیم کی جو ناظرین کے دلوں میں واقعات قصہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ سرسری تشریح بھی ہوجاتی

ہے اور چونکہ شاعر خود برابر معرکے میں موجود رہا تھا اس وجہ سے وہ واقعات میں پورا دخل رکھتا ہے اور اس طرح سے اس کتاب میں رزم اور بزم کی غزلیات نہایت پرلطف طور سے ملی ہوئی ہیں اور واقعات کے ہر حصہ کے نظری اور ذہنی دونوں پہلو دکھلاتے گئے ہیں۔

اس مثنوی کو امیر خسرو رح نے رمضان ۶۸۸ھ میں تین مہینے کے عرصے میں خاتمۂ نظم پہنچایا ہے اس میں تین ہزار نوسو انچاس بیتیں ہیں (۳۹۴۹) ۔ یہ چھپ گئی ہے اور عام طور سے دستیاب ہوتی ہے بخوف طوالت کسی واقعہ یا غزل کی پوری نقل درج کرنے سے معذور رہکر بطور نمونہ مختلف مقامات کی چند بیتیں درج کی جاتی ہیں۔

دہلی کی تعریف میں

حضرتِ دہلی کنفِ دین و داد	جنتِ عدن ست کہ آباد باد
ہست چو ذاتِ ارم اندر صفات	حرسها الله عن الحادثات
ملک ز دروازۂ او فتح یاب	سیزدہ دروازہ و صد فتح باب
نام بلندش رہِ بالا گرفت	تا بہ ختن شدرہ بیسا گرفت
گر شنود قصۂ ایں بوستاں	تا کہ شود طائفِ ہندوستاں

کیقباد کے نسب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں

نور جدا از جبۂ او تافتہ	فر جدا از فر جد خود یافتہ
شمس جہانگیر جدا با فرش	اظہر من شمس جدِ دیگرش
ناصرِ حق شاہ فرشتہ سرشت	خوئے خوشش نسخۂ باغ بہشت
جد سوم شاہ غیاثِ امم	حاکمِ فرماں ز عرب تا عجم
ہر سہ جدش کعبۂ ارکانِ جود	کردہ دو عالم سہ جدش را سجود

نصائح بزبان ناصر الدین بغرا خاں

اے پسر از ملک و جوانی مناز
تا زبد و کن نشد او بے نیاز

گرچہ سیاست ز تو شد دستیاب
دست ضعیفان ز سیاست متاب

خشم بہ جرم میاور بہ کس
ز آتش سوزندہ نگہدار خس

چوں بگناہ معترف آید کسے
عفو نکوتر ز سیاست بسے

چشم رعایت ز رعیت مگیر
تا بود ت ملک عمارت پذیر

شاخ درختے کہ بود سایہ دار
سایہ نشیں را بود از وے مدار

چوں تو شدی سایۂ یزدانِ پاک
سایہ فشاں باش برین مشت خاک

عدل بود مایۂ امن و اماں
پیشہ کن ایں مایہ زمیں تا زماں

دولتِ جاوید بہ داست کس
نام نکو دولتِ جاوید بس

ہر نفس از عمر غنیمت شمر
یاد کن از ملک ورانِ دگر

کاول شاں چرخ بہ بالا کشید
و آخر شاں خاک بہ خارا کشید

قصۂ ضحاک ہمیدوں بخواں
نامۂ جمشید و فریدوں بخواں

نیک و بد از دفتر ایشاں بجوے
نیک بخاطر کن و بد را بشوے

پیشہ نکوئی کن و از بد بترس
از بدِ کس نے ز بدِ خود بترس

خود ز مکافات و جزا ہر زماں
ہرچہ کنی نیز بیابی ہماں

ترس خداوند جہاں کن بہ دل
تا ز خداوند نمانی خجل

کار چناں کن کہ بہنگام کار
از در یزداں نشوی شرمسار

متفرق نصائح منجانب امیر خسرو رح

ترک طمع گیر و خود شرم دار
تا نشوی چوں خجلاں شرمسار

گرسنہ نانے کہ دریں تنگنائے
ناں ز ملک مطلبی نہ از خدائے

تشنہ بمیر آب ز دوناں مخواہ	خوں خور واز خوانچہ شاں ناں مخواہ
دل بقناعت نہ و خو یسند باش	مملکت این است خداوند باش
توز کن و آشام بخون آب خویش	از پئے نانے چہ بری آب خویش

مطلع الانوار۔ شیریں خسرو۔ لیلیٰ مجنوں۔ آئینۂ اسکندری۔ ہشت بہشت

یا

پنج گنج خسرو رح

شیخ نظامی گنجوی رح نے جو استاد الآفاق اور سرتاج مثنوی گویاں ہیں۔ پانچ مثنویاں اس خوبی اور فصاحت و بلاغت سے لکھی ہیں کہ اصحاب فصاحت اور ارباب بلاغت نے ان کو خدائے سخن کے نام سے موصوف کیا ہے مثنویاں جو خمسہ نظامی کے نام سے مشہور ہیں حسب ذیل ہیں۔

مخزن اسرار۔ خسرو شیریں۔ لیلیٰ مجنوں۔ ہفت پیکر۔ سکندر نامہ۔ ان کی ترتیب کی نسبت مولانا نظامی سکندر نامہ میں فرماتے ہیں۔

بسے گنجہائے کہن ساختم	درو نکتہائے نو انداختم
سوی مخزن آوردم اول بسیچ (مخزن اسرار)	کہ سستی نکردم دریں کار ہیچ
وزو چرب شیریں ترا نگیختم	بشیریں و خسرو درآمیختم (شیریں خسرو)
وز انجا سراپردہ بیروں زدم	در عشق لیلیٰ و مجنوں زدم
چو از عشق مجنوں بپرداختم	سوی ہفت پیکر فرس تاختم
کنوں بر بساط سخن گستری	زنم کوس اقبال اسکندری (سکندر نامہ)

یہ خمسہ مولانا نظامی کا ۵۹۹ھ ۱۲۰۰ء میں تکمیل کو پہنچا اور ایسا مقبول خلائق ہوا کہ عام

طور سے مشہور ہوگیا کہ اِس کا جواب نہیں ہوسکتا اور اُس زمانے سے سو برس تک اُسی شد و مد کے ساتھ مشہور چلا آیا مگر کسی فاضل شاعر کی ہمت نہ پڑی کہ اِسکے جواب میں قلم اٹھا آ۔ سب سے پہلے امیر خسرو رح نے اپنے عہد میں اِس کے جواب میں قلم اٹھایا اور دو تین برس کے عرصے میں سنہ ۷۰۱ھ (۱۳۰۱ع) میں اس کے جواب میں اپنا پنج گنج ختم کر کے اُس کو سلطان علاؤ الدین خلجی کے نام سے موسوم کیا۔[۱] مطلع الانوار میں اس کی نسبت فرماتے ہیں۔

گشت چو نقدِ ہمہ قلب آزمائے ۔۔۔ سایہ بریدم ز ہمہ چوں ہمائے
دبدبۂ خسرویم شد بلند ۔۔۔ غلغلہ در گورِ نظامی [گنجوی] فگند
آں روشے بود ز اندازہ دور ۔۔۔ ظلمہ در آمد بہ دماغم ز نور
نور کہ از خواجہ نظامم [سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ] رسید ۔۔۔ کام ازاں رو بہ نظامم رسید
گرچہ بر و ختم سخن [نظامی رح] مہر بست ۔۔۔ سکۂ من مہر زرش را شکست
خاتم او را چو کشادم نگیں ۔۔۔ داد نگینش بمن انگشتریں
خاتمش از ملک بسلطاں سپرد ۔۔۔ خاتمِ دولت بہ سلیماں سپرد
آں گہر آرم کنوں از کانِ غیب ۔۔۔ کاب شود عقد ثریا بہ جیب
گرچہ بہ ملکِ سخن از پنج گنج ۔۔۔ نوبت آں گنجہ نشیں [مولانا نظامی رح] گشت پنج
نوبتِ خسرو کہ بہ پیچش نواست ۔۔۔ پنجہ زن نوبتِ آں خسرو است

[۱] امیر خسرو رح کے بعد بھی خمسہ مولانا نظامی رح کے جواب میں بہت سے شعرا نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔ خواجو کرمانی۔ ملا ہاتفی عبداللہ جامی (مولانا نورالدین جامی رح کے بھانجے تھے) صاحبِ دولتی۔ ملک الشعرا ابوالفیض فیضی۔ لیکن خمسہ نظامی کے جواب میں جو کامیابی امیر خسرو رح کے پنج گنج اور فیضی کی ایک مثنوی نل دمن کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے جواب کو نصیب نہیں ہوئی ✣

سازم ازاں ساں بسرے پنج گنج
کالبچہ بہر گنج بود ناپدید
آں نمط آرم کہ ہمہ ناقداں
ملک سخن راچو گرفتم بہ تیغ
(نظامی)

پنج کلید از پئے آں پنج گنج
فتح شود ہم بزبانِ کلید
فرق نداند ازیں تا بداں
گوہرِ خود نیز فشاندم چو سیغ
(خسرو)

امیر خسرو رح نے خمسہ نظامی کے جواب میں پنج گنج کو اِس طرح پر ترتیب دیا ہے۔

مخزن اسرار کے جواب میں	مطلع الانوار
خسرو شیریں کے ”	خسرو شیریں
لیلی مجنوں کے ”	لیلی مجنوں
ہفت پیکر کے ”	ہشت بہشت
سکندر نامہ کے ”	آئینۂ اسکندری

ہشت بہشت میں فرماتے ہیں۔

دادی اوّل بہ گنبد دوّار
کردی آنگاہ با نشاطِ تمام
باز در عالمِ خردمندی
پس وہاں پُر ز دُرِّ دری کردی
ویں زماں کز جواہرِ انجم

روشنائی ز مطلع الانوار
شہدِ شیریں و خسرو اندر جام
شورِ لیلی و مجنوں افگندی
شرحِ رازِ سکندری کردی
مے نگاری صحیفۂ چو بہشت

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں کہ امیر خسرو رح کے خمسہ (پنج گنج) میں انتیس[۲۹] ہزار اور خمسہ مولانا نظامی رح میں اٹھائیس[۲۸] ہزار بیتیں ہیں۔ خمسہ امیر خسرو رح میں اختصار ہے جو فصاحت و بلاغت میں مطلوب و مرغوب ہے۔ اور امیرزادہ سلطان سعید بالسینغر[۱] اس کو خمسہ مولانا نظامی رح پر ترجیح دیتے تھے لیکن

[۱] مرزا بالسینغر مرزا شاہرخ ابن امیر تیمور کا بیٹا تھا۔ یہ شاہزادہ نہایت شریف پرور اور قابل تھا۔ خود چھ زبانوں میں لکھ پڑھ سکتا تھا۔ فارسی اور ترکی زبان میں اشعار موزوں کرتا تھا۔

خاقان[۵] الغ بیگ اس بات کو قبول نہیں کرتے تھے اور دونوں بادشاہوں میں اس معاملہ میں تعصب پیدا ہوگیا تھا۔

اس کے بعد فاضل مذکور نے اپنی رائے خمسہ امیر خسرو رح کی نسبت یہ لکھی ہے القصہ معانی خاص و نازکیہ کہ خسرو و سخن ان پرشور عاشقانہ او آتش در نہاد آدمی بیزند و در توحید این دو بیت امیر خسرو است۔

قطرۂ آبے نہ خورد ماکیاں ۔۔۔ تا نہ کند روے سوے آسماں

و در معراج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مے فرماید

بر آں آئینہ دل واجب است آہ ۔۔۔ کہ بر معراج او تنگ است رہ راہ

و در نازکیہاے خمسہ او اگر فکر کنند نکتہا نیست کہ وصف نتواں کرد از انجملہ است۔

خرے راکہ تیمار خر بندہ کشت ۔۔۔ سجود شکم بہ کرسی من بہ پشت

وازیں نوع ظرائف فراواں است۔

مطلع الانوار

حضرت امیر خسرو رح کے علوم و حکمت کے پنج گنج کا پہلا گنج مطلع الانوار ہے اِس

(بقیہ حاشیہ نمبر ۹۶) علماء کی قدر دانی میں شہرۂ آفاق تھا۔ اس کی سرکار میں ہمیشہ چالیس نقل نویس پرانی نادر و نایاب کتابوں کے نقل کرنے کے واسطے ملازم رہتے تھے۔ ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء میں پیدا ہوا اور ۳۵ برس کی عمر میں ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء بمقام ہرات فوت ہوا۔

۵ مرزا الغ بیگ۔ یہ شاہزادہ بھی مرزا شاہرخ ابن امیر تیمور کا بیٹا تھا۔ علم اور اہل علم کی قدر دانی اور علم نجوم میں بہت مشہور تھا۔ چالیس برس تک اس نے اپنے باپ کی زندگی میں سمرقند میں حکومت کی اور باپ کی وفات کے بعد ۸۵۰ھ ۱۴۴۶ء میں اس کا جانشین ہوا۔ تخت نشین ہو کر بھی ہمیشہ کتب بینی میں مشغول رہتا تھا۔ رمضان ۸۵۳ھ مطابق ۲۰۔ اکتوبر ۱۴۴۹ء میں اس کے ناخلف بیٹے مرزا عبد اللطیف نے اس کو قید کر کے قتل کر ڈالا۔

شناور دریائے حقیقت اور غواص بحر طریقت نے اس اخلاق و تصوف کے خزانے میں شریعت و طریقت اور حقیقت کے نادر و نایاب نورانی گوہر اس خوشنمائی سے سجائے ہیں کہ اگر اس کو مطلع انوار الٰہی کہیں تو خوشنما ہے یا معجزہ خسروی کہا جاوے تو بجا ہے۔ اس طلسم خانہ حقیقت کو جو اس صاحب کمال کے کمالات کا سچا فوٹو ہے اس جادو نگار نے صرف چودہ دن کی قلیل مدت میں اپنے سحر سامری سے سجا کر اپنی بے نظیر قادر الکلامی اور کمالات معنوی کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں بیس مقالہ اور تین ہزار تین سو دس بیتیں ہیں۔ ۶۹۸ھ کی تصنیف ہے یہ چھپ گئی ہے اور عام طور سے دستیاب ہوتی ہے۔ اختتام پر آپ فرماتے ہیں۔

شکر خدا را کہ بفضل خدا	گشت عروس چو بہشت این سرا
بیست خزینہ است درو پیش از گنج	بیست خزینہ ز صد و بست و پنج
در ہمہ بیت آوری اندر شمار	سی صد و دہ بر شمر و سہ ہزار
از اثر اختر گردون خرام	شد بدو ہفتہ این ہمہ کامل تمام
سال کہ از چرخ کہن گشت بود	از پس ششصد نود و ہشت بود
چرخ کہ خورشید جنابش نوشت	مطلع انوار خطابش نوشت

ناظرین۔ اس گلستان حقیقت سے یہ خوشنما گلدستہ مرتب کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

آنکہ بہ زندان جہالت گم است	ہست گدا گرچہ زرش صد خم است
مرد کہ از علم توانگر بود	کے نظرش بر گہر و زر بود
عالم اگر چاشت ندارد ز شام	جاہل اگر خسرو روم است و شام
گر نہ بانصاف شوی پردہ دوز	حیف بود در حق جاہل ہنوز
اہل نہ گردد بہ عمامہ سفید	خر نشود از جل دیبا فقیہ

از بہر خویش کشا سینہ را
پایہ مکن نسبت دیرینہ را

آب گہرہاے کہن را مجوے
در چو کہن گشت بود زرد روے

زندہ بہ مردہ مشو اے نا تمام
زندہ تو کن مردہ خود را بنام

زندہ کن مردہ مسیحا فر است
وانکہ دم از مردہ برآرد خر است

از پدر مردہ ملاف اے جوان
گرنہ سگی چوں خوشی از استخوان

فائدہ علم ہمین است خاص
کت دہد از چاہ تحیر خلاص

چوں زند از پردہ مذکر نفیر
بو العجبی باشد ہنگامہ گیر

آنکہ نہد اندر قصے بہر نام
بہر فقیہے کہ بود نا تمام

علم چناں خواں کہ ز لبس زندگی
خواب تو باشد شرف بندگی

چوں تو نی از شاہد و مے حیلہ جوے
علم مگو خواب پریشانش گوے

چند تواں ساغر پنہاں زدن
پس نفس از خصمیت قرآں زدن

زشت بود زہر بہ نوریسہ در
بادہ ز قرآں بہ یکے سینہ در

حافظ قرآں چو خورد بادہ ہے
کفر بود شستن قرآں بہ مے

خامہ مزن سوے سخن عامہ را
آلت تزویر مکن خامہ را

خطاب بسوے عامیاں و مفتیاں

عالم بے کار (بے عمل) نیابد بہ دست
گرچہ بصد حیلہ برآرد دمے

ہر چہ بہ ہنگام نہ گوید کسے
خامشی از گفت نکوتر بسے

قول کس (سخن بیوقت) نیست بہ ہر استوار
شاعر و قرعہ زن (رمال) و اختر شمار

مرد بود کم سخن و تازہ روے
قہقہہ در خندہ گلہا (شبنم) مجوے

کس نکند از سخن نرم بیم
وز سخن سخت تبرسد سلیم

تیز مکن تیغ زباں در دہاں
تا نبرد حلق ترا در زماں

رہ نبرد سوے خموشاں کسے
زخم خورد مرد سخن گو بسے

هرچه لبت را به سخن ره دروست — جائزہ قد سمع اللہ دروست
چوں شنونده است خاموش بوے — هرچه نیرزد و بشنو آں مگوے
گوش منه بر لبِ غیبت گراں — تا تو هم انباز نباشی درآں
راه مده هیچ خسے را به گوش — ور دهی از پنبه دهانش بپوش
نے همه گفتار از انساں خوش است — هرچه پسندیده بود آں خوش است
هرچه بد هر آدمی است و پری — نیست اگر بهر پرستش گری
جائزه اسلام بر اصحاب بریو — پیر فرشته است مگس ران دیو
ایں نه لباس ست که تلبیس ماست — ویں نه خیال ست که ابلیس ماست
راکع و ساجد شده تن چوں هلال — پو به زناں مشرق و مغرب خیال
هوش به پیمانه و ورد در خداے — واے بریں طاعت آلوده واے
نقشِ الٰهی ست به لوح جبیں — بر درِ مخلوق منه بر زمیں
واے که تا چند چو افسردگاں — سجده کنی بر درِ ایں مردگاں
اے که گذاری به جنازه نماز — سجده نه دانی که ندارد جواز
زشت نمازے که ریا شانِ اوست — مزبلهٔ دیو و ارکانِ اوست
اے همه در جمعه و عیدت نماز — کے بود آیت ز درِ بے نیاز
نیست نماز آنکه کنی بے خشوع — وزدی ارکاں به سجود و رکوع
سجده نباشد که بروے زمیں — بر صفتِ مرغ شوی دانه چیں
تو به چنیں چیدنِ دانه ز خاک — چوں پری اندر صفِ مرغانِ تاک
کن به نمازت همه ارکاں درست — تا ت شود خانهٔ ایماں درست
ساخته کن بارے ز ارکاں سراے — بو که دهد شمع حضورت خداے
اے شده بازیچهٔ دستِ هواے — گرده رواے بره نارواے

جہد و بال ایں چہ پریشانی است　　ترک خدا ایں چہ مسلمانی است
ہیچ کس از بندہ خود آزاد نیست　　ہیچ ولے را ز خدا یاد نیست
ہر کہ نہ پرہیز پذیرد نصیب　　از پئے دارو نرود بر طبیب
لوث چو چرپسند بہلاکت کشد　　آب چو بگرفت بخاکت کشد
چیست شراب آب شر آمیختہ　　نقل کبابے نمکش ریختہ
خوردن مے ہر بدئے راست سر　　وانکہ بدش میخورد آں خود بتر
خلق و تواضع کہ ز مستاں بود　　شعبدہ بادہ پرستاں بود
شرب و زنا تیرہ کند رائے را　　شاہد و مے سست کند پاے را
مرد نہ آں شد کہ ز شہوت نہ رست　　مرد کسے داں کہ ز شہوت برست
تا دلت از ترس نہ لرزد چو بید　　مغفرت آمید مدار از امید
خوف و رجا ہر دو بہ ایماں درند　　نور دو خاں ہر دو بہ قرآں درند
علم گرت نیست ذخیرہ ز بس　　فاتحہ ات از سر اخلاص بس
ہست بسے صوفی پشمینہ پوش　　کش نرسد بانگ موذن بگوش
چوں ز میش دور بہ سلطاں شود　　تند بہ محراب خراماں شود
صوفی مے خوارہ کہ گوید ز حال　　گر ہمہ کشف است مداں جز خیال
دعوئے فقر و عمل زر مدام　　فقر کدام است و تجارت کدام
رند مقامر کہ بود پاک باز　　بہ ز عبادت گر با حرص و آز
عاشق نہ عاشق درگاہ نیست　　زانکہ دوئی درخور ایں راہ نیست
نانے اگر ہست میسر نہ جو　　از پئے لوزینہ دوناں مدو
ضامن روزی تو روزی رساں　　دیدۂ کور تو بسوئے جہاں
گر شمری دوست کسے را شمار　　کو بود اندر غم و شادیت یار

دوست کہ در شادی و غم نسبت دوست — زوجہ شوی شاد کہ خود غم ہم اوست
یار چو در کار نباشد غم است — کار کہ بے یار بر آید کم است
یار غرض جوے فراواں بود — آنکہ کشد بار تو یار آں بود
گر ز تو چشم پدرت دید خار — از پدر خویش ہماں چشم دار
ہرچہ تو نگر بہ توانا دہ گند — واں کہ گہر باز بہ دریا فگند

خسرو شیریں

پنج گنج کے دوسرے گنج خسرو شیریں کا اب نام ہی باقی رہ گیا ہے۔ یہ مثنوی عام طور سے دستیاب نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ کسی بڑے کتب خانہ میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہو۔ میں نے بہت تلاش کیا مگر مجھے اس کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ تذکرہ آتشکدہ سے اس کی چند بیتیں نقل کیجاتی ہیں۔

سر نامہ بنام آں خداوند — کہ دلہارا بہ دلہا دادہ پیوند
زہے نقاش صورتہائے زیبا — ز مشت خاک ازو شد روے زیبا
کرشمہ داد چشم نیکواں را — شکار شیر فرمود آہواں را
چناں بنگاشت گیسوے گرہ گیر — کہ نتواں داشت دلہارا ز نجیر
رخے اندک بہ سبزی میل کردہ — بہارے از کف خضر آب خوردہ
بگندم گوں و بیل آدمی زاد — نخست ایں فتنہ آدم کرد بنیاد
عرق کز روے آں طیار میریخت — کرشمہ مے چکید آنا ر میریخت
نمکدانی بہ تنگی چوں دل مور — نمک چنداں کہ در عالم فتد شور

ملا عبد القادر بدایونی فیضی کی مثنوی نل دمن کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ کہ حق تو یہ ہے کہ ایسی مثنوی اس تین سو برس میں امیر خسرو رح کی مثنوی خسرو

شیریں کے بعد ہندوستان میں شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔

لیلیٰ مجنوں

۶۹۸ھ (۱۲۹۸ء) میں امیر خسرو رح نے کشورِ عشاق کے شہنشاہ مجنوں اور معشوقانِ جہاں کی سرتاج لیلےٰ کے مشہور و معروف عشقیہ قصّہ کو نہایت نزاکت لطافت اور بلند پروازی سے نظم کرکے اپنے پنج گنج کا تیسرا گنج آراستہ کیا۔ اس میں دو ہزار چھ سو ساٹھ (۲۶۶۰) بیتیں ہیں۔ اور ہر بیان سے شیریں کلامی ٹپکتی ہے بخوفِ طوالت ہم اس کے کسی بیان کی پوری نقل درج کرنے سے معذور ہیں مگر مختلف مقامات کی چند بیتیں درج کی جاتی ہیں۔ یہ مثنوی چھپ گئی ہے اور عام طور سے دستیاب ہوتی ہے۔

مناجات باری تعالےٰ

اے عذر پذیرِ عذر خواہاں　　عفوِ تو شفیعِ پُرگناہاں
خسرو کہ کمین بندۂ تست　　در ہرچہ فتد فگندۂ تست
آں راکہ تو افگنی بہ ہزیمت　　برداشتنش بہ بازوِ کیست
ہرچند تنِ گناہ پرورد　　در حضرتِ قرب نیست درخورد
با ایں ہمہ گر پذیری ایں خاک　　نقصاں چہ رسد بہ عالمِ پاک
از یادِ خودم کن آنچناں شاد　　کز ہستئِ خود نیایدم یاد

وصف لیلی

بود از صفتِ آں تبانِ چوں ماہ　　ماہے کہ زرو آفتاب راراہ
لیلی نامے کہ بہ غلامش　　خالش نقطے ز نقشِ نامش
مشعل کشِ آفتاب و انجم　　دیوانہ کن پری و مردم

تاراج گرِ متاعِ جانہا　　بنیاد شگافِ خان و مانہا
سلطانِ شکر لبانِ آفاق　　لشکر شکنِ شکیبِ عشاق
گردن زنِ عافیت فروشاں　　تشویش دہِ صلاح کوشاں
سرتا قدمش کرشمہ و ناز　　ہم بر کشِ حسن و ہم سرانداز
نازی و ہزار فتنہ و سحر　　چشمے و ہزار رشتہ در شہر
چشمش ز کرشمہ مست و مدہوش　　آہو برہ بخواب خرگوش
خنداں چو سمن بہ تازہ روئی　　شیریں چو شکر بہ تلخ گوئی
از وسوسہ چشم دیو بستہ　　تسبیحِ فرشتگاں گسستہ
نے بت کہ چراغ بت پرستاں　　طاؤسِ بہشت و کبک بستاں
معجون لبش بہ درفشانی　　پروردہ بہ آبِ زندگانی
ہمخوابہ لالہ گیسوانش　　ہمشیرۂ انگبیں دہانش
خورشید غلام زادۂ او　　مہ داغ جبیں نہادۂ او
اندر صفِ آں بتانِ شیریں　　چوں زہرہ بہ ثور و مہ بپرویں

وفاتِ مجنوں

مجنوں ز میانِ انجمن جست　　وافتاد بہ دخمۂ لحد پست
بگرفت عروس را در آغوش　　بر داشت بروے دوش با دوش
دو اخترِ سعد را بہ پاکی　　افتاد قراں بہ برجِ خاکی
خویشانِ صنم ز سترِ آں کار　　جستند بغیرت اندر آں غار
تا ساز کنند چشم خوں ریز　　برگشتہ زنند خنجرِ تیز
چوں دست بہ پنجہ در زندش　　بے چاک غضب بسر زنندش
او از سرِ پنجہ بے خبر بود　　پنجش بہ شکنجۂ دگر بود

با ہم شدہ بود پوست با پوست ۔ پروا ز نمودہ دوست با دوست
کردند نخست آز ہوشش ۔ از جاں رمقے نداد خویشش
بازو کہ حمائلِ صنم گشت ۔ از ہم نگشود بسکہ ضم گشت
افتادہ بمعنہ شاں عجائب ۔ گویا ز جدا کنند یارے
پیرے دو سہ از بزرگ واراں ۔ گفتند بچشم سیل باراں
کایں کار نہ شہوت و ہوا یست ۔ سرے ز خزانۂ خدا یست
ورنہ بہوس کسے نجوید ۔ کز جانِ عزیز دست شوید
خوش وقت کسے کہ از دلِ پاک ۔ در راہِ وفا چنیں شود خاک
وصل ارچہ بہ اہلِ دل وبال است ۔ وصلے کہ بود چنیں حلال است
نفسے کہ نباشدت ہوا رام ۔ زاں آتش زکجا شود دود و دام
گر عاشقی ایں مقام دارد ۔ تقوے بجہاں چہ نام دارد
تا ہر دو نہ در مغاک بودند ۔ ز آلائشِ نفس پاک بودند
وامروز کہ شہر بند خاکند ۔ پیداست کہ خود چہ گور پاکند

آئینہ سکندری یا سکندر نامہ

پنج گنج کے چوتھے گنج یعنے آئینہ اسکندری یا سکندر نامہ کا اب پتہ نہیں چلتا باوجود تلاش بسیار کسی تاریخ یا تذکرہ سے اس کا نمونہ بھی نہیں ملا

ہشت بہشت

پنج گنج کا پانچواں اور آخری گنج ہشت بہشت ہے۔ اس میں اخلاقی پند و نصیحت کے بیش بہا اور نادر و نایاب جواہرات کو بہرام گور شاہ ایران کے

حسنِ معاشرت۔ عیش عشرت۔ عشق و محبت کے دلچسپ افسانوں کے پیرایے میں نہایت سادہ اور سلیس زبان میں اس نزاکت و لطافت سے آراستہ کیا ہے کہ انسان دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتا ہے ظاہر بیں اس کے ظاہری عجیب و غریب افسانوں کو پڑھ پڑھ کر وجد کرتے ہیں اور علماے دقیقہ شناس ادراکِ معانی سے عقل و کیاست فہم و فراست کا سبق حاصل کرتے ہیں۔

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں۔

گوش کیں خط چناں نگار چست　　کہ فزوں آید از چہار نخست

کاولیں نکتہ گرچہ چست بود　　آخریں بہتر از نخست بود

گویم افسانہاے طبع فزاے　　از لبِ لعبتِ فسانہ سراے

ہر فسانہ صراحئے ز شراب　　دور مستی و بلکہ دارو خواب

ہر یکے را بہشت نام کنم　　حور و کوثر درو تمام کنم

ہفت باشد بہشت و کوثر ہفت　　ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت

ہیں نوشتم بہ کلک مشک سرشت　　نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت

تا کسے کاندرو گذر یابد　　بے قیامت بہشت دریابد

خود براں دل کہ خازنِ ہنر است　　ہر بہشتے قیامتِ دگر است

گر بود ناقداں خزانۂ راز　　داند اندیشۂ مرا پرواز

ور ز دانش نباشدش پیوند　　ہم بافسانہ شود خرسند

یہ مثنوی چھپ گئی ہے اور عام طور سے ملتی ہے۔ اس میں تین ہزار تین سو پچاس بیتیں ہیں اور سنہ ۷۰۱ھ کی تصنیف ہے اس کے افسانے اس قدر طویل ہیں کہ ایک کی بھی پوری نقل درج نہیں کی جاسکتی ہے مختلف مقامات کی چند بیتیں درج کی جاتی ہیں امیر خسرو رح نے ہر داستان

کے اخیر پر ایک رنگ کی تعریف کی ہے۔

رنگ مشکیں کی نسبت فرماتے ہیں

رنگ مشکیں شعار عباسی ست	زیور آرائے چرخ شماسی ست
ظلمت شب کہ مشک فام بود	بہر آسائشے تمام بود
خون تر ور سیان نافہ خشک	نافہ گردد سیہ نباشد مشک
خط و خالے کہ دلستاں دارد	مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

صفت رنگ زعفرانی

زعفرانی عجب تریں رنگ ست	گوشۂ عاشقان بے سنگ ست
زر کہ اکسیر کامرانی یافت	زینت از رنگ زعفرانی یافت
بنگر آں زر کہ زعفرانی نیست	در عیار آنچناں کہ دانی نیست
آفتابے کہ آسماں دارد	عزت از رنگ زعفراں دارد
در مزعفر فزائش طرب ست	خندۂ زعفراں ازاں سبب ست

صفت رنگ سبز

سبز ریحانی است رنگے نغز	داوہ بینندہ را طراوت نغز
سبزہ در باغ رنگ ریحاں یافت	دیدہ از سبزہ روشنی زاں یافت
شاخ ریحاں طراز نسرین ست	باغ را زیور از ریاحین ست
گلعذارے کہ خار خار دل ست	خط ریحانیش بہار دل ست

صفت رنگ گلنار

رنگ گلنار دلکشائے بود	چوں مئے لعل جاں فزائے بود
زیب باغ ست گون گلناری	چوں شفق بر سپہر زنگاری
ہر کہ شد بخت و دولتے یارش	رخ بہ سرخی بود چو گلنارش

هست گلنار همچو نارِ نعیم   گل نار است باغ ابراهیم

صفت رنگ بنفشه

هست رنگِ بنفشه نادروش   دیده را نغز و سینه را دلکش
ترک زیبا که رو بود چو مهش   در زره زیر و بنفشه کن نگهش
باغ را نقش کم ز دیبا نیست   بے خیالِ بنفشه زیبا نیست
خندهٔ برق با شرار درفش   بین که چون خوش بود ز ابر بنفش

صفت رنگ صندلی

رنگِ صندل لطیف تر باشد   اثرش رفع دردِ سر باشد
زاب صندل بتان که رخ شویند   زان طراوت به رنگ رو جویند
رنگِ خوبان خوش است صندل فام   خوش بود سروِ صندلی اندام
چون ز لب بیخت سرو صندل سود   شربتِ صندلی گوارش بود

صفت رنگ کافوری

پاک رنگ ست رنگِ کافوری   نامه ها را بیاض مغفوری
چون شود خشک آدمی کافور   موے او را خدائے خواند نور
روز روشن که سر بسر نور است   همه نورش برنگِ کافور است

صفت دلارام معشوقهٔ بهرام

خاصه تر زان همه کنیزے بود   آفتابے به زیرِ چرخ کبود
اصلش از چین و رخ چو صورتِ چین   گیسوش چون سواد چین مشکین
بسکه کردے بهر دلے آرام   به دل آرامیش بر آمده نام
قامتے در خوشی چو عمر دراز   هوس انگیز تر ز عشق مجاز
بر چو نارنج نو به شاخ درخت   سخت رسته ز صحبتِ دلِ سخت

روے گلرنگ داد گل را رنگ — دہنش تنگ باشکر ہم تنگ
سر درآوردہ ابروانش بکار — چوں مقامر بہ کعبتین قمار
ہرطرف کابرو بہ خشم کردہ — آرزو بیش و ہوش کم کردہ
چوں بہ دنبال چشم کردہ نگاہ — بردہ صدرہ روندہ را از راہ
طرۂ راسرزدہ ، خونخواری — چشمہا اے دہم ز بیماری
نرگسش دورباش و غمزہ خدنگ — لعل در آشتی و غمزہ بہ جنگ
نیم دزدیدہ خندہ زیر لبش — کردہ تعلیم دزدی عجبش
سخن تلخ در لبش چونبات — مرگ را داد چاشنی ز حیات
لعل او کردہ بر شکر میری — شہد را داد چاشنی گیری
خال او کوہسزا پردہ درید — عالمے را بہ کنجدے بخرید
گیسوے پیچ پیچ از سر ناز — داد بر دست فتنہ رشتہ دراز
تنے از نازکی درونہ فریب — پاے تا سر ہمہ لطافت و زیب
رگ نمودہ بروں ز لطف بدن — ہمچو رشتہ درون در عدن
نوش در پوست در تنک سلبی — ہمچو مے در زجاجۂ حلبی
در تماشاش روز و شب بہرام — ہمچو جمشید در نظارۂ جام

خضرنامہ یا مثنوی خضر خاں و دول رانی

خضر خاں سلطان علاؤ الدین خلجی کا بڑا بیٹا اور دیول دیوی یا دول رانی اسکی معشوقہ راجہ گجرات کی بیٹی تھی۔ خضر خاں امیر خسرو رح کا پیر بھائی بھی تھا۔ اس نے ان سے اپنے عشق کے قصہ کو نظم کرنے کی فرمائش کی تھی۔ اسی فرمائش پر آپ نے اس عشقیہ مثنوی میں دونوں کے عشق و محبت کا حال لکھا ہے جس کا لب

لباب یہ ہے کہ جس وقت دیول دیبی گجرات سے اپنی ماں کملا دیبی کے پاس آئی۔ اُس وقت اُس کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ بادشاہ خضرخاں سے اُس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ کملا دیبی نے بھی جو بادشاہ کے حرم میں تھی اِسے منظور کرلیا تھا کیونکہ وہ خضرخاں کو اس وجہ سے بہت چاہتی تھی کہ وہ اُس کے بھائی کے ہم شکل تھا۔ نوعمری کے ایام میں یہ دونوں نوعمر آپس میں ملتے جلتے اور پیار واخلاص کے ساتھ کھیلتے کودتے رہے۔ خضرخاں کی ماں اِس شادی کا ہونا اِس وجہ سے نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی اپنے بھائی الپ خاں کی لڑکی سے کرنا چاہتی تھی۔ جب اُس نے یہ دیکھا کہ خضرخاں کی محبت دیول دیبی سے عشق کے درجے تک پہنچ گئی ہے تو اُس نے بادشاہ سے کہہ کر دونوں کو جدا کرادیا۔ اس حالت جدائی میں بھی ان کے درمیان برابر پیغام وسلام جاری رہے۔ لیکن باوجود خضرخاں کی بے انتہا مخالفت اور رونے پیٹنے کے اُس کی شادی الپخاں کی لڑکی سے جبراً کردی گئی اس کے بعد جب عشق سے روز بروز اُس کا حال خراب ہونا شروع ہوا تو بادشاہ نے اُس کا نکاح دیول دیبی سے بھی کرادیا۔ اِس کے بعد بادشاہ خضرخاں سے ناراض ہوگیا اور اُس نے اُس کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ خاوند کی سب مصیبتوں میں دیول دیبی اُس کے ساتھ رہی۔ اور جب ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) میں خضرخاں قطب الدین مبارک شاہ کے حکم سے گوالیار میں قتل ہوا تو دیول دیبی کے دونوں ہاتھ اپنے عاشق زار کے گلے میں پڑے ہوئے زخمی ہوئے اور وہیں قتل ہوکر خاوند کے ساتھ دفن ہوئی۔

ان دونوں کی عاشقی کا ایسا شہرہ ہوا کہ ہندی۔ فارسی شاعروں کا ایک شاعرانہ افسانہ بن گیا۔ بہت سے قصے اس کے ہندی۔ فارسی زبانوں میں موجود ہیں۔ اور صدہا برس تک لوگوں نے اس کے گیت بناکر گاتے۔ بعض مؤرخ لکھتے

ہیں کہ دیول دیبی اپنے عاشق کے قتل کے بعد زندہ رہی اور اس کی دو شادیاں اور ہوئیں۔ ایک خاوند کے قاتل قطب الدین مبارک شاہ کے ساتھ اور دوسری غاصب سلطنت خسرو خاں کے ساتھ لیکن چونکہ اس روایت کی تصدیق اس مثنوی اور اس عہد کی مستند تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی سے نہیں ہوتی لہذا پہلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ مثنوی چھپی نہیں نہ عام طور سے دستیاب ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے جے پور کے کتب خانے میں اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ ۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء کی تصنیف ہے۔ اس کی ان بیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ اور چند دنوں میں لکھی گئی ہے۔

بحمد اللہ کہ از عونِ الٰہی	بہ پایاں آمد ایں منشور شاہی
بقدرِ چار ماہ و چند روزے	فروزاں شد چنیں روشن فروزے

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خضر خاں کے قتل کا واقعہ بعد میں الحاق کیا گیا ہے کیونکہ وہ ۷۱۸ھ ۱۳۱۸ء کا واقعہ ہے۔ اس کی نسبت حضرت امیر خسرو رح مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں۔

مع القصہ نہانی دان ایں راز	ز گنج راز نیہاں در کند باز
کہ چوں سلطاں مبارک شاہ بے مہر	ز تلخی گشت بر خویشاں ترش چہر
صلاحِ ملک در خونریز شاں دید	سزاواری بہ تیغِ تیز شاں دید
براں شد تا کند از کیں سگالی	ز انباز اں ملک اقلیم خالی
نہاں سوئے خضر خاں کس فرستاد	نموداری بہ عذر از دل بروں داد
کہ اے شمعے ز مجلس دور ماندہ	تنت بیتاب و رخ بے نور ماندہ
تو مے دانی کہ از من نیست ایں کار	ستمکش ماند و یک سو شد ستمگار
دول رانی کہ در پیشیت کنیز یست	کنیز ارمہ بود ہم سہل چیزیست

شنیدم کانچناں گشت ارجمندت　　کہ شد پابوس او سرِ بلندت
بس زیبا بود کز چشم کوتاہ　　پرستار پرستاری شود شاہ
تمنائے دلِ ما ہے کہ خواست　　کہ زاں زانو نشیں بربادیت خاست
چو زینجا رفت باز ایں جا فرستش　　بپائیں گاہِ تختِ ما فرستش
چو سودائے دولت کم گشت چیزے　　دہمیت باز تا باشد کنیزے
چو شہ پیغام گوئے برد پیغام　　خضرخاں را نماند اندر دل آرام
نخست از دیدہ لب را جوش خوں داد　　پس آلودہ بخوں پاسخ فرستاد
کہ شہ را ملک رانی چوں وفا کرد　　دول رانی بمن باید رہا کرد
دریں دولت ہم از من دور خواہی　　مرا بے دولت و بے نور خواہی
چو با من ہمسر ست ایں یار جانی　　سرِ من دور کن زاں پس تو دانی

اس کے بعد خضر خاں کی شہادت کا حال لکھ کر فرماتے ہیں

دول رانی کہ با فرخندگی بود　　خضرخاں را ز لالِ زندگی بود
چو خضرِ چرخ با او در کمیں گشت　　ہمہ آب حیاتش تیغ کیں گشت
چہ دیدم اندریں شیشہ بہ تمییز　　بسے بست آب حیواں خضر کش نیز
برآمد جانِ عاشق جاں فشاناں　　وے بیگشت گرد اگر جاناں
گلے کز وے چکیدہ قطرہ خونے　　فشاندے خون صد دیدہ بروئے
بجائے آب از آں گل خوں کشیدند　　نگہ کن تا گلابش چوں کشیدند

مثنوی نہ سپہر

یہ بے نظیر مثنوی ماہ جمادی الثانی ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) میں حضرت امیر خسرو نے نو جزوں میں سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے نام پر لکھی تھی اسی مناسبت سے یہ نہ سپہر

قطبی کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس کے بیش بہا صلے کا حال باب سوم میں تحریر ہو چکا ہے۔ یہ مثنوی چھپی نہیں اور بہت کم یاب ہے۔ مخدومی مولوی محمد شعیب صاحب ٹونکی کی عنایت سے ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا جو ماہ ذیقعد ۹۸۰ھ کا لکھا ہوا ہے اس کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ کل مثنوی میں چار ہزار پانسو بیتیں ہیں۔ غزلیات۔ وصف بہار و موسم نو روز وغیرہ مختلف نظموں کے علاوہ قطب الدین مبارک شاہ کے دیوگیر دولت آباد اور تلنگانہ وغیرہ کی فتوحات کے تاریخی حالات نہایت دل چسپ اور زوردار نظم میں مندرج ہیں۔ ایک مستقل باب ہندوستان اور ہندوستانیوں کے فضائل میں قلمبند کیا ہے جو تیرہ ورقوں (ہر ایک ورق میں ۲۴-۲۴ بیتیں ہیں) پر ختم ہوا ہے یہ بے انتہا دلچسپ ہے۔ اس سے امیر خسرو رح کی حب الوطنی اور ہندوؤں کے علوم و فنون سے پوری واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ مختصر انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے۔

حمد

خدا را کنم بر سرِ نامہ یاد	کہ بر بندہ در ہائے معنے گشاد

مناجات

خدایا چو دانائے رازم توئی	بہ ہر نیک و بد چارہ سازم توئی
بداں گونہ کن چارۂ کارِ من	کہ رحمت بُرد از درت بارِ من
درے باز کن بر من از گنجِ راز	کہ گردم ز گنجِ کساں بے نیاز
نکویم کہ کن بر درِ خویش خاص	ہمیں گویمت کز خودم کن خلاص
خدائے گدایان و شاہاں توئی	پناہِ ہمہ بے پناہاں توئی
پناہے مدہ جز براہِ خودم	و گر سوم اں از نیازِ خودم

چو خاکم کنی خاک آرام کن
در آں خاک چوں خاک خوارم مکن

خدایا چو خسرو دریں بوستاں
کہن طوطی شد ز ہندوستاں
ز ہر گفت و گویش پرہیز دار
بتوحید و نعتش زباں تیز دار

ہندوستان کے فضائل جو اِن عنوانوں سے بیان کئے ہیں۔

(۱) اثباتِ ملکِ ہند کہ جنت بہ جنت است
جنت ہمہ بہ قاعدہ ملک استوار

(۲)	ترجیح ملک ہند بعقل از ہوائے خوش	بر روم و بر عراق و خراسانِ برف بار
(۳)	ترجیح اہلِ ہند بر اہلِ عجم ہمہ	در زیرکی و دانش و دلہائے ہوشیار
(۴)	اثبات لغت ہند بحجت کہ راجح است	بر پارسی و ترکی از الفاظ خوشگوار
(۵)	اثبات آنکہ جانورے ایں دیار را	ہستے قریب عقل کہ انساں کنی شمار
(۶)	اثبات آنکہ ہم بزبانند مُردہ را	ہم زندہ جاں دہند چو پروانہ پیش نار

ہندوؤں کی فضیلت علمی پر دس دلیلیں قائم کی ہیں جن میں بعض یہ ہیں۔

(۱) یہاں تمام دنیا سے زیادہ علم نے وسعت حاصل کی۔

(۲) ہندوستان کے آدمی دنیا کی تمام زبانیں حاصل کر سکتے ہیں لیکن اور کسی ملک کا آدمی ہندی زبان نہیں بول سکتا۔

(۳) ہندوستان میں دنیا کے ہر حصہ کے لوگ علم کی تحصیل کے واسطے آئے لیکن کوئی ہندو تحصیل علم کے واسطے ہند سے باہر نہیں گیا۔ ابو معشر ہندوستان میں تحصیل علم کے واسطے آیا اور دس برس تک بنارس میں پڑھتا رہا۔

(۴) علم حساب میں صفر ہندوستان کی ایجاد ہے جسے آسا برہمن نے ایجاد کیا تھا۔

(۵) کلیلہ دمنہ جس کا ترجمہ فارسی۔ ترکی۔ عربی۔ دری میں ہوا ہندوستان کی تصنیف ہے۔

(۶) شطرنج ہندوستان کی ایجاد ہے۔

(۷) موسیقی کی جو ترقی ہندوستان میں ہوئی کہیں نہیں ہوئی۔

دسویں دلیل میں فرماتے ہیں ؎

حجت دہ آنکہ چو خسرو بہ سخن　　سحر گرے نیست بہ جیبِ کہن

ہندوؤں کے مذہب کو اسلام کے علاوہ اور تمام مذاہب سے مقابلہ کرکے ترجیح دی ہے ؎

برہمن از ہستی او راندہ نفس	از ثنوی گشتہ بدو می رفتہ بس
عیسویاں زوجہ و ولد بستہ برو	ہندو ازیں جملہ پیوستہ برو
قوم مجسم رقم جسم زدہ	برہمناں سکہ ازیں قسم زدہ
اختریاں ہفت خدا بردہ گماں	گفتہ یکے ہندو و ثابت ہماں
قوم مشبہ بسوے تشبیہ شدہ	ہندو ازینہا بہ تنزیہ شدہ
تعلق دگر نور و ظلام خواندہ بدل	ہندو ازینہا ہمہ پیچیدہ و گل
وانچہ کہ معبود برہمن بہ فرق	معترف او کہ نہ تثلیث ز حق

ہندوستان کے جانوروں کی تعریف میں طوطی کا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں ؎

طوطی ازیں جاست یکے جانورے	ہیچ دگر جانوراں نے بشرے
ہست سخنش بہ صفتِ آدمیاں	ہر چہ شنیدست بگوید بہ بیاں

فاتحہ و اخلاص و دعا در رہش　　با تن و تو ہمچوں من تو سخنش

ویدوں کا حال لکھتے ہیں ؎

چار کتابست بدین بد شاں　　کاصل عمل شد بقبول دروشاں
بید شدش نام ز دیواں سمری　　کو ند ہ بید صفت ہیچ بری
ہرچہ دگر قصہ و افسانہ شاں　　یا کتب و نامہ و پروانہ شاں
آنچہ تعلق بہ عبارت گری　　دارد و آئین سخن گستری
حرفے وے آنجا بود از برہمناں　　وز ادب آموختہ دانستہ چناں

یہ مثنوی خصوصاً ہندوستان کا باب بہت ہی عجیب ہے بخوف طوالت زیادہ انتخاب نہیں لیا گیا۔

مثنوی تغلق نامہ

یہ حضرت امیر خسرو رح کی سب سے آخری تصنیف تھی جو سلطان غیاث الدین تغلق کے نام پر لکھی گئی تھی۔ یہ مثنوی اکبر اور جہانگیر ہی کے عہد میں نایاب تھی۔ ۱۰۱۹ھ ۱۶۱۰ء میں جہانگیر نے اس کو دیکھ کر بہت پسند کیا لیکن اس کا جو نسخہ شاہی کتب خانے میں تھا اُس کا ایک مبحث مفقود تھا۔ جب تلاش کرنے پر کوئی دوسرا نسخہ دستیاب نہ ہوا تو جہانگیر نے شعرائے دربار کو حکم دیا کہ اُسی طرز پر طبع آزمائی کر کے مبحث مفقود کو پورا کریں۔ سب نے طبع آزمائیاں کیں۔ لیکن بادشاہ کو حیاتی کاشی کی نظم پسند آئی اور اس کو داخل تغلق نامہ کیا اور اس کے صلہ میں قدردان بادشاہ نے حیاتی کاشی کو زر سرخ و سفید سے ترازو میں تلوا کر اُسکے ہموزن چھ تھیلیاں جن میں چھ ہزار اشرفیاں اور روپئے تھے مرحمت فرمائیں۔ سعدائی گیلانی نے اس کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

چوں حیاتی رابہ زرسنجید شاہنشاہ عصر	بادشاہ عدل گستر شاہ گردوں اقتدا
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ	آفتاب ہفت کشور سایۂ پروردگار
بہر تاریخش بروے کفۂ میزان چرخ	شاعر سنجیدۂ شاہی رقم زد روزگار

خزائن الفتوح یا تاریخ علائی

اس تاریخ میں حضرت امیر خسرو رح نے سلطان علاء الدین خلجی کے اوائل سلطنت اور فتوحات کے حالات نہایت فصاحت و بلاغت سے تحریر کیے ہیں۔

صاحب منتخب التواریخ ملک مانک اور مغلوں کی لڑائی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اِس لڑائی کے قصے کو امیر خسرو رح نے خزائن الفتوح میں ایسی فصاحت و بلاغت سے لکھا ہے کہ آدمی کا کام نہیں معلوم ہوتا اور اگر غور کیا جاوے۔ تو اُن کا تمام کلام ایسا ہی فصیح ہے۔

مسٹر ایلیٹ صاحب اپنی تاریخ میں اِس تاریخ کی نسبت حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

یہ تاریخ جو اِن دونوں ناموں سے مشہور ہے حضرت امیر خسرو رح کی تالیف سے ہے۔ اِس میں سلطان علاؤالدین خلجی کے جس کو مؤلف نے اکثر محمد شاہ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے اوائل سلطنت یعنے ۶۹۵ھ (۱۲۹۹ء) سے ۷۱۰ھ (۱۳۱۰ء) تک کے حالات نہایت دلچسپ پیرائے میں درج ہیں۔ گمان غالب ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا عام مورخوں نے تاریخ علاء الدین خلجی کے نام سے اپنی تاریخوں میں حوالہ دیا ہے اگر واقعی یہ خیال صحیح ہے تو اِس کا غور سے مطالعہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ بہت سے دلچسپ واقعات مورخوں سے نظر انداز ہوگئے ہیں۔ یہ مختصر کتاب اُن مضامین کے متعلق جن کا اس میں بیان ہے بہت زیادہ معلومات سے بھری

ہوئی ہے خاصکر اُس زمانے کی لڑائی کے قواعد اِس خوبی سے اِس کتاب میں
بیان کئے گئے ہیں کہ کسی دوسری کتاب میں اِس سے زیادہ عمدگی سے نہیں
پائے جاتے اِس کا طرز بیان نہایت دقیق ہے کیونکہ اس میں اکثر جگہ نہایت نازک
خیالی سے ایسے استعارات استعمال کئے گئے ہیں جیسے کہ بقیہ نقیہ اور اعجاز
خسروی کے دیباچہ میں ہیں یا جیسے کہ قصائد بدر چاچ اور میات مرزا قتیل اور
ایسی ہی دوسری تصانیف میں پائے جاتے ہیں کہ جن میں عام مضامین کو بھی
نازک خیالی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اِس تاریخ کے ہر ایک حصہ میں وہی الفاظ
استعمال کئے گئے ہیں جن کا تعلق کسی خاص مضمون سے ہے۔ ایسی جگہ بعض
بعض تشبیہیں نہایت عاقلانہ اور دلچسپ استعمال کی گئی ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے
کہ اِس قسم کی تصنیفات میں اکثر مبالغہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور ذرا ذراسی بات کو بہت
بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے تاہم اس سے ہم کو اکثر ایسے سچے واقعات معلوم
ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ہم ان باتوں کو نظر انداز کر سکتے ہیں اور ایک طرح
سے یہ معمے اور تشبیہیں ہم کو واقعات کے معلوم کرنے میں بہت مدد دیتی ہیں
کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اعداد کے ذریعے سے کسی واقعہ کی تاریخ کا پتہ نہیں
چلتا اور معمہ وغیرہ سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ کب ہوا تھا۔ اِس کتاب
میں اکثر ہندی الفاظ مثلاً کاٹھ گدھا۔ پردھان۔ مار آمار وغیرہ بھی استعمال کئے
گئے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے اہل اسلام کے خلاف امیر
خسرو رح کو ہندی زبان میں بھی کافی مہارت تھی۔ اِس تاریخ میں باقاعدہ تاریخ
وار واقعات درج نہیں ہیں بلکہ خاص زمانے میں ملک کے کسی حصے میں
جو واقعات ہوئے اُن کو بلا امتیاز درج کر دیا گیا ہے لیکن امیر خسرو رح نے
جو کچھ لکھا ہے مستند مانا جاتا ہے کیونکہ اوّل تو یہ کل واقعات اُن کے زمانے

کے ہیں دوسرے ان میں سے اکثر میں وہ بذات خود شریک تھے ضیاء الدین برنی، مورخ اپنی تاریخ کے بیانات کی تصدیق اکثر اسی کتاب سے کرتا ہے۔

یہ تاریخ بھی اب کمیاب ہے اور چھپی نہیں اس کا ایک قلمی نسخہ بجے پور کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کے مطالعہ کا شرف راقم الحروف کو حاصل ہوا ہے۔ اس نسخہ کے عنوان پر یہ بیت تحریر ہے۔

این نامہ کہ نقد فتح دارد در جیب　　شد نام خزائن الفتوحش از غیب

ایک لڑائی کا حال اس بیت سے شروع کیا گیا ہے۔ ؎

این فتح خزائن الفتوح است　　پر گوہر از و چراغ روح است

اور خاتمہ پر یہ عبارت درج ہے۔

ختم سخن برایں کلمہ مے کنم کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ و دعاے ختم این است کہ توفیتنی مسلما والحقنی بالصلحین اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك النبی الامی وعلی الہ واصحابہ اجمعین ✦

انشاے خسرو یا خیالاتِ خسرو

یہ سلیس فارسی میں رقعات اور مراسلات کا مجموعہ ہے۔ اس کے اکثر رقعات اخلاقی پند و نصائح سے پر ہیں۔ خاتمہ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

خاتمہ دفتر اول۔ قلم برداشتن و عبارت آراستن و فقرہاے رنگین و دل نشین پیراستن و نسخہ مرتع و مربوط نگاشتن کار منشیان استادِ است ہیچمدان گو استعداد آں ندارد ـــــ مراسلہ چند کہ بہ بچہاں ارجمند و بہ دوستانِ دردمند از غایت شوق و نہایت ذوق قریب الفہم نگاشتہ و بالفاظ مغلق نپرداختہ وبراے یاراں یادگارے گذاشتہ۔ فرد

گر بدے گوہرے ورا ے سخن آں نزود آمدے بجاے سخن

امید کہ منظور نظر کیمیا اثر صاحب نظراں گردد مصرع ہر مس کہ بہ کیمیا رسد زر گردد۔

اس کتاب کے قلمی نسخے کو بھی راقم الحروف نے جے پور کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔ بطور نمونہ ایک مختصر رقعہ کی نقل درج کی جاتی ہے۔

عرضداشت بہ پیر دستگیر

عرضداشت کمترین مریدان جاں نثار زمین خدمت بلب ادب بوسیدہ ساعت بساعت در لوازم بندگی کوشیدہ بعداز تقدیم شرائط عقیدت و مراسم ارادت ذرہ وار از روے عجز و انکسار بموقف عرض قبلہ حاجات و کعبہ مرادات میرساند کہ از ورود مکرمت نامہ فیض آمود سر افتخار و مباہات بگردون دوار رسیماز والا مطالعہ آں بعنایت ابدی و سعادت سرمدی موصول گردید۔ و مرشد کامل سلامت این ذرہ بے مقدار پیوستہ از عنایات آں آفتاب عالمتاب کہ از ذرہ تا خورشید شامل است امیدوار مے باشد و بجز درگاہ آسمان جاہ پیر دستگیر پناہے ندارد۔ ع چہ غم دیوار امت را کہ باشد چوں تو پشتیباں شعاع آفتاب جہاں تاب فیض بر مفارق جمیع مریداں و طالباں تابندہ باد۔

رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی

اس خوش سخن اور شمع افروز انجمن کی تصنیف سے اعجاز خسروی ایسی کتاب ہے کہ جس کا ہر لفظ معدن فصاحت اور ہر فقرہ مخزن بلاغت ہے۔ اس کی عبارت آرائی۔ بہار افشانی۔ گل ریزی۔ مترادف فقروں کے جوڑ توڑ اور مقفے فقروں کی سجاوٹ اور دیگر صنائع بدائع انشا پردازی کے اظہار کمالات سے بڑے بڑے منشی۔ فاضل اور ادیب حیران ہیں۔ اس صاحب کمال باغبان نے فن انشا پردازی کے گلستاں میں طرح طرح کے اختراع و ایجاد اور لطائف و ظرائف کے قلم لگا کر ان کو عربی علم ادب کے پانی اور ہندی الفاظ سے ایسا سرسبز و شاداب کیا ہے کہ قیامت

تک اپنی بہار دکھاتے رہیں گے۔ بعض مضامین بلاغت کے ایسے اعلیٰ درجۂ رفعت پر قائم ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے فضلا اور انشا پردازوں کے ذہن رسا وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ عربی کے جو اشعار و فقرات فارسی کے ساتھ آگئے ہیں وہ اس کی قادر الکلامی کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔ اور زبان کی حیثیت سے کسی طرح فصحاے عرب کے کلام سے کم نہیں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کے کمال فارسی کی ایک ایسی زندہ یادگار دنیا میں موجود ہے کہ جس کے مقابلہ میں آج تک ہندوستانی تو کیا ایرانیوں کا بھی قلم نہیں اٹھا اور جس طرح شیخ سعدی رح کی گلستان۔ مولانا روم کی مثنوی۔ امام غزالی رح کی احیاء العلوم۔ فردوسی کے شاہنامہ۔ نظامی کے سکندرنامہ اور فیضی کی تفسیر سواطع الالہام۔ اور ایام جہالت کے امرء القیس وغیرہ فصحاے عرب کے سبعہ[1] معلقہ کا جواب نہ ہو سکا اسی طرح اس کتاب کا بھی جواب آج تک نہ ہو سکا نہ امید ہے کہ آئندہ ہو۔

یہ کتاب پانچ رسالوں پر مشتمل ہے جو سلطان علاؤالدین خلجی کے نام پر لکھی گئی تھی۔ لیکن قطب الدین مبارک شاہ کے عہد میں ۷۱۹ھ (۱۳۱۹ء) میں تکمیل کو پہنچی۔ اس میں قریب بارہ سو صفحہ بڑی تقطیع کے ہیں اور مطبع منشی نول کشور لکھنؤ میں طبع ہو کر عام طور سے ملتی ہے۔ امیر خسرو رح اس کی نسبت فرماتے ہیں۔ رباعی

زہے منظر کہ چوں بام بہشت است — کہ از خسرو دمے خالی مبادا
فضا در ہفت سقفش دید و برخواند — بنینا فوقکم سبعاً شدادا

[1] سبعہ عربی میں سات کو کہتے ہیں اور معلق کے معنی لٹکے ہوئے کے ہیں۔ قبل اسلام ایام جہالت میں فصحائے عرب کا قاعدہ تھا کہ قصیدہ لکھ کر خانہ کعبہ پر اس غرض سے لٹکا آتے تھے کہ دیکھیں کون اسکا جواب لکھتا ہے۔ منجملہ ان قصیدوں کے یہ سات قصیدے ایسے فصیح و بلیغ واقع ہوئے کہ کوئی ان کا جواب نہ دے سکا۔ یہ آج تک عربی علم ادب کی منتہی کتابوں کے ساتھ درس میں ہیں۔

اس ضخیم کتاب سے اگر چیدہ چیدہ مضامین بھی نقل کئے جائیں تو اُس کے واسطے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

افضل الفوائد و راحت المحبین

ان دونوں کتابوں میں امیر خسرو رح نے ملفوظات اپنے پیر حضرت سلطان المشائخ رح کے بقید تاریخ و ترتیب مجلس جمع فرمائے ہیں۔ راحت المحبین کی مجلس اوّل میں لکھتے ہیں۔

مجلس اوّل روز دوشنبہ ہفتم ماہ رجب المرجب ۷۰۹ھ گفتگو دربارۂ آفرینش مہتر آدم علیہ السلام واقعہ ہوئی بندہ گنہ گار امیدوار رحمت پروردگار خسرو لاچیں کو یکے از بندگان و حلقہ بگوشان حضرت سلطان المشائخ رح ہے یاوری بخت سے دولت قدمبوسی حاصل ہوئی عزیزان اہل صفہ حاضر خدمت تھے۔ بندہ واسطے عرض کرنے کے دست بستہ کھڑا ہوا تھا آپ نے مجھے کھڑا ہوا دیکھ کر ازراہ مکرمت فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور جو کچھ کہنا ہو وہ عرض کرو میں۔نے دوبارہ قدم بوسی کی آپ نے ازراہ نوازش مجھے اٹھایا اور بار دیگر ارشاد فرمایا کہ تم کو اجازت ہے جو عرض کرنا ہو عرض کرو۔ مینے التماس کیا کہ اس نحیف نے قبل ازیں جس قدر انفاس نفیسہ زبان مبارک سے سُنے تھے اُن کو قلمبند کیا ہے کہ ایک کتاب مرتب ہوگئی ہے۔ بندہ نے اس کا نام افضل الفوائد رکھا ہے کتاب مذکور شرف ملاحظہ سے مشرف ہوچکی ہے۔ اب میں طالب اجازت ہوں کہ جو ترغیب زبان مبارک حضرت مخدوم سے سنوں اُسے سلک تحریر میں لاؤں گر میرا یہ مدعا ہے کہ حضور آئندہ ذکر حضرات انبیاء عظام علیہم السلام فرمایا کریں۔ کمال ذرہ نوازی ہوگی عرضداشت ختم ہوتے ہی آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ بہت خوب میں نے تمہارے آنے سے پیشتر ہی یہ حکایت آغاز کی ہے۔ الخ

راحت المحبین کا اردو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے اور افضل الفوائد بھی چھپ گئی ہے۔

خالق باری

عربی۔ فارسی۔ ہندی کے لغات میں مختلف بحروں میں ہے یہ پہلے کسی بڑی بڑی جلدوں میں تھی آج کل جو عام طور سے رائج ہے یہ اسی کتاب کا بہت مختصر سا انتخاب ہے مشہور ہے کہ امیر خسرو رح نے اس کو کسی بھٹیاری کی فرمائش پر اس کے لڑکے کے واسطے لکھا تھا۔ جب برج بھاشا نے اپنے وسعت اخلاق سے عربی۔ فارسی الفاظ کے مہمانوں کو جگہ دی تو ایک نئی زبان پیدا ہونی شروع ہوئی لیکن وہ مدت تک دوہروں کے رنگ میں ظہور کرتی رہی یعنے فارسی کی بحریں اور فارسی خیالات اس میں نہ آتے تھے۔ سب سے اوّل اسی خالق باری میں فارسی بحروں نے اپنی جھلک دکھائی ہے۔ فارسی اردو پڑھے ہوئے لوگوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے خالق باری اور کریما کے دو چار دس پانچ شعر یاد نہ ہوں اس وجہ سے اس کے نمونہ دکھانے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ سبحان اللہ کیا زبانیں تھیں کہ جو ان سے نکل گیا ایک عالم کو بھایا اور زمانے کے دل پر نقش کالحجر ہو گیا خالق باری جس طرح کہ چھ سات سو برس پہلے بچوں کا وظیفہ تھی اسی طرح آج بھی جہاں جہاں پرانی تعلیم کا چرچا باقی ہے عام طور سے بچوں کے ورد زباں ہے۔

مقالہ۔ جواہر البحر

یہ دونوں کتابیں میری قاصر نگاہ سے نہیں گذریں۔ نہ کسی فارسی کی تاریخ یا تذکرے میں ان کا کچھ حال نظر سے گذرا۔ مسٹر ٹامس ولیم بیل صاحب اپنی

کتاب اورینٹیل بایوگرفیکل ڈکشنری میں امیر خسرو رح کی تصنیفات کے ذیل میں ان کتابوں کے نام بھی تحریر فرماتے ہیں اور مقالے کی نسبت حسب ذیل لکھتے ہیں۔

مقالہ۔ اس میں خلفائے راشدین کے حالات درج ہیں اور مذہب صوفیہ کی نسبت بھی ایک رسالہ شامل ہے۔ ۱۳۲۴ء کی تصنیف ہے۔

قصہ چہار درویش

ایک مرتبہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا رح بیمار ہوئے۔ حضرت امیر خسرو رح تیمارداری میں ہر وقت حاضر رہتے۔ اور اپنے پیر کے دل بہلانے کے واسطے اس قصے کو تصنیف کر کے سنایا کرتے تھے۔ غسل صحت کے بعد حضرت سلطان المشائخ رح نے دعا دی کہ جو کوئی اس قصے کو سُنے گا خدا کے فضل سے تندرست رہے گا۔

اس دلچسپ قصے کا ترجمہ اوّل ایک صاحب تحسین نامی ساکن اٹاوہ نے کر کے نو طرز مرصع کے نام سے موسوم کیا۔ ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱-۱۸۰۲ء میں میر امن دہلوی نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے حکم سے اس کا دوبارہ ترجمہ کیا۔ جو باغ و بہار کے نام سے موسوم اور انیسویں صدی کے آغاز میں دلّی کی جو زبان تھی اس کا اعلےٰ نمونہ ہے۔ اور اب تک انگریزوں کے اردو درس میں داخل ہے۔

دیوان تحفۃ الصغر۔ وسط الحیات۔ غرۃ الکمال۔ بقیہ نقیہ

نظم کی مختصر تاریخ امیر خسرو رح کے عہد تک

جملہ ارباب فضل و کمال اس امر میں متفق ہیں کہ نظم نثر پر فوقیت رکھتی ہے

نظم موزوں ہے۔ نثر ناموزوں۔ ا۔ موزوں اور ناموزوں میں جو فرق ہے۔ وہ عقلمندوں پر ظاہر ہے۔ اصحابِ فضل و کمال نے آیاتِ کلام مجید میں بیساختہ کلمات موزوں پا کر صدور کلام موزوں کو متکلمِ قدیم تعالےٰ شانہ سے منسوب کیا ہے اور تعریف شعر کو عرشِ معلےٰ پر پہنچا کر شعرا کو تلامیذ الرحمٰن کا خطاب دیا ہے ظاہر ہے کہ جملہ علوم و کمال اکتسابی ہیں اور بلا استاد اور تعلیم و تحصیل کے حاصل نہیں ہوتے مگر طبع موزوں محض وہبی ہے کہ محتاج تعلیم و اکتساب کی نہیں ہے اکثر حروف آشنا بلکہ جاہلِ محض کہ جو عروض و قافیہ اوزان و تقطیع افاعیل و بحور شعر سے محض بے بہرہ ہوتے ہیں ایسے مضامین عالی موزوں کرتے ہیں کہ جنھیں سن سن کر تعجب ہوتا ہے۔ مثنوی میں حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

من ندانم فاعلاتن فاعلات　　　شعر مے گویم بہ از آبِ حیات

سرخوش صاحبِ کلمات الشعرا کیا خوش فرماتے ہیں کہ گواہ صدق اس دعوے کا مصرع برجستہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے کہ دیباچہ طراز اور عنوان آرائے

لہ بسم اللہ پر بہت سے شاعروں نے مصرعے لگائے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

مولانا نظامی ...	ہست کلید در گنج حکیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم
امیر خسرو ...	خطبۂ قدس است بملک قدیم	ایضاً
عرفی	موج نخست است بحر کریم	ایضاً
طاہر وحید	ہست نہالے ز ریاض قدیم	ایضاً
میر آزاد بلگرامی	تیغ سیہ تاب رسولِ کریم	ایضاً
ناطق	جملہ جہان حادث و ذاتش قدیم	ایضاً

قرآن مجید ہے۔ اسی اصول پر مرزا صائب کہتے ہیں۔

سخن بلند چو افتد بوے مقرون است — آنا قُرۂ سرِ مصحف کلام موزون است

اِس بیت کے مصرع اوّل میں چونکہ لفظ سخن آیا تھا جو عام طور سے نظم و نثر دونوں کے واسطے مستعمل ہے اس وجہ سے میر آزاد بلگرامی نے اِس بیت کی اِس طرح اصلاح فرمائی ہے۔

خوش ست نثر ولے شانِ نظم افزونست — آنا قُرۂ سرِ مصحف کلامِ موزون ست

اس امر میں اختلاف ہے کہ دنیا میں شعر گوئی کا موجد کون ہے۔ ابن اثیر اور بہت سے دیگر مؤرخ اِس ایجاد کو حضرت آدم علیہ السلام کیطرف منسوب کرتے ہیں، اور لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل کے مرثیہ میں سریانی زبان میں شعر موزوں کئے ہیں۔ جن کا عربی میں ترجمہ یہ ہے۔

تغیرت البلاد ومن علیہا	ووجہ الارض مغبر قبیح
تغیر کل ذی طعم ولون	وقل بشاشۃ الوجہ الصبیح
قتل قابیل ھابیلاً اخاہ	فوا اسفی علے الوجہ الملیح

اسی اصول پر مرزا صائب لکھتے ہیں ؎

اولاً اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود — طبع موزوں حجت فرزندیٔ آدم بود

حضرت امیر خسرو رح ارشاد فرماتے ہیں۔

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم — دل بایں محنت نہ از خود دادہ ایم

لیکن وہ مؤرخ جو شعر گوئی کو کفر سمجھتے ہیں اس امر سے منکر ہیں اُن کا بیان ہے کہ پیغمبر معصوم اور شعر گوئی سے مبرّا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضہ کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ مرثیہ نثر میں کہا تھا جب یہ نثر سریانی

زبان سے عربی زبان میں ترجمہ ہوئی تو خود بخود موزوں ہو گئی۔ قاسم بن سلام بغدادی موجد شعر عربی کا یعرب بن قحطان کو جو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اشعر بن سبا یمنی شعر گوئی کا موجد ہے اور موجد کے نام ہی کی نسبت سے سخن موزوں کو شعر کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فارسی شعر گوئی کی ایجاد کا فخر بہرام گور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک روز وہ گورخر کے شکار میں مصروف تھا کہ بیساختہ اس کی زبان سے یہ شعر نکل گیا۔

منم آں پیل دمان و منم آں شیر یلہ　　نام بہرام مرا کنیستم بوجبلہ

بہرام گور کے اس شعر کے بعد کس نے شعر کہا اس میں اختلاف ہے۔ بعض شخص یعقوب بن لیث کو جن کا زمانہ ۲۵۱ھ ۸۶۵ء میں تھا اور بعض ابوحفص سغدی کو جن کا زمانہ ۳۰۰ھ ۹۱۲ء میں تھا بتلاتے ہیں۔ فارسی میں قصیدہ کا موجد خواجہ عباس مروی ہے جو عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کامل تھا۔ ۱۹۳ھ ۸۰۹ء میں جبکہ خلیفہ مامون رشید عباسی بطور دورہ مرو میں وارد ہوا خواجہ عباس نے اس کی مدح میں فارسی میں قصیدہ کہہ کر دربار میں سنایا اور اس کے صلے میں ہزار دینار علاوہ وظیفہ مقررہ کے پائے۔ اس قصیدے کے چند شعر یہ ہیں ؎

اے رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرقدین	گسترانیدہ بجود و فضل در عالم یدین
مر خلافت را تو شائستہ چو مردم دیدہ را	دین یزداں را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین
کس بریں منوال پیش از من چنیں شعرے نگفت	مر زبان پارسی را ہست تا ایں نوع بین
لیک زاں گفتم من ایں مدحت ترا تا ایں لغت	گیرد از مدح و ثنائے حضرت تو زیب و زین

۳۰۰ھ ۹۱۲ء تک فارسی شعر گوئی کا یہی حال رہا کہ کبھی کبھی کسی نے کوئی شعر کہہ دیا

قصیدہ موزوں کرلیا تو کرلیا مگر کوئی اس کی ترتیب و تدوین کی طرف متوجہ نہ ہوا۔
سلاطین سامانیہ کے عہد میں سب سے پہلے حکیم محمد ابوالحسن رودکی نے فارسی
شاعری کو کمال کے زینے پر پہنچایا۔ قصیدہ اور غزل کی طرح ایجاد کی۔ کہتے ہیں کہ
وہ مادر زاد اندھا تھا اگر ذہن اس کا ایسا عالی تھا کہ باوصف نابینائی سات برس
کی عمر میں حافظ قرآن اور بیس برس کی عمر میں حکیم اور شاعر اور لطیفہ گو ہوگیا۔
علاوہ اس فضل و کمال کے نہایت خوش آواز اور علم موسیقی میں بھی کامل
استاد تھا۔ ابتدائے حال میں مطربی کرتا تھا رفتہ رفتہ خضر ابن احمد سامانی کی ملازمت
میں جا پہنچا اور فضل و کمال کے وسیلہ سے ایسے مدارج اور مراتب اعلے
پر پہنچا کہ مشہور ہے کہ شعرا میں جو دولت و حشمت اُسے حاصل ہوئی وہ کسی کو
نصیب نہیں ہوئی۔ شرح یمنی کی روایت کے مطابق اُس کے اشعار کی تعداد
اکتیس ہزار بیان کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسدئی طوسی۔ ارزقی۔ فردوسی۔
عنصری۔ انوری۔ دقیقی۔ عسجدی۔ فرخی۔ فلکی۔ نظامی۔ خاقانی۔ سنائی۔
فاریابی وغیرہ فارسی کے آسمان پر بجلی ہو کر چمکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے
کلام اور ایجادات کی خوبی کے انعام و اکرام شہرت کے خزانہ سے پاکر کمال کے
دربار سے بقائے دوام کی سند حاصل کی۔

ساتویں صدی میں شرقی شعرا کے سرتاج شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی
رحمۃ اللہ علیہ نے گلستانِ شاعری میں ایسے عجیب و غریب اور خوش نما گل
کھلائے کہ دنیا محو ہوگئی اور بحیثیت مجموعی جو قبولیت عام اس برگزیدہ روزگار کے
کلام کو حاصل ہوئی وہ آج تک کسی شاعر کے کلام کو نصیب نہیں ہوئی۔ عزیزی
کا قول ہے۔

در شعر سہ تن پیمبرانند ہر چند کہ لانبی بعدی

اوصاف قصیدہ و غزل را　　فردوسی و انوری و سعدی

اُنھوں نے برخلاف شعراے متقدمین کی بے نمک اور پھیکی غزلوں کے اپنی غزلوں میں عاشقانہ مضامین اور شوخی اور بانکپن کی ایسی میناکاری کی کہ موجودہ طرز غزل کے ایجاد کے فخر کا سہرا اُن کے سر پر باندھا گیا اور اُنکی فصاحت نے استعاروں کے پیچ اور تشبیہوں کی رنگارنگی کو چھوڑ کر سادگی کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اُن کا کلام عام پسند ہوکر مرغوب طبائع خاص و عام ہوا۔

اسی زمانے میں ہندوستان میں حضرت امیر خسرو رح اور امیر حسن رح نے اس نئے طرز غزل کو کمال کے درجے پر پہنچایا۔ علامۂ زماں میر علی آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ سعدی شیرازی فردے از افراد اولیا و ثالث رسل ثلاثۂ شعراست و اوّل کسیکہ زمرہ غزل سنجید و دماغ عشاق را رسائی تازہ بخشید اگرچہ پیش از شیخ ہم قدما کم کم قانون غزل نواختہ اند اما بے نمک۔ شیخ شور غزل بطرز تازہ برانگیخت و نمک بر جراحت دردمندان ریخت و لہذا دیوان او را نمکدان مے گویند و ہم شیخ در حالت حیات بود کہ امیر خسرو رح و امیر حسن در ہندوستان غلغلۂ غزل انداختند و سوز سینۂ و اغدار انجمنہا راگرم ساختند سلطان محمد قاآن مشہور بخان شہید ناظم ملتان دو مرتبہ التماس قدوم شیخ سعدی از شیراز نمود و اشعار امیر خسرو رح برائے ملاحظہ او فرستاد۔ شیخ از استیلائے ضعف پیری نتوانست رسید ہر دو بار دیوان خود را بخط خود بہ سلطان ارسال نمود و اشعار امیر را تحسین بلیغ کرد و بہ تربیت او تحریص نمود و بعد زمان ایں فضلائے ثلاثہ باب غزل مفتوح شد۔ و در ہر عصر جمعے طریق اجتہاد پیمودند و حُسن غزل را بہ انواع آرائش افزودند۔

امیر خسرو رح کے کلام پر رائے

امیر خسرو رح کا صرف وہ کلام جو انواع و اقسام کے صنائع بدائع اور مختلف رنگوں اور نئے نئے تصرفوں اور ایجادوں سے مرصع ہے اگر جمع کیا جاوے تو بہت سے شعرا کے کلام سے زیادہ نکلے گا۔ اُن کا تمام کلام عاشقانہ اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ غزلوں میں عاشقانہ اور صوفیانہ مضامین کی ایسی میناکاری کی ہے کہ خاص و عام سب میں یکساں ہر دل عزیز ہیں۔ قوال معرفت کی محفلوں میں انہیں کی غزلوں کو گا کر محفلوں کو گرماتے ہیں[1]۔ عوام اور ارباب نشاط یاروں کو سنا سنا کر مزے اڑاتے ہیں۔ جس طرح عوام الناس اُن کے ظاہری عشقیہ مضامین سے لطف پاتے ہیں اسی طرح صوفیان صافی دل اور علماے دقیقہ شناس ادراک معانی سے دقائق و معارف الٰہی کا حظ اٹھاتے ہیں۔

فارسی کے باکمال شعرا خاقانی۔ ظہیر۔ انوری قصائد۔ اور فردوسی میدانِ

---

[1] منقول ہے کہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) میں ایک دن شہنشاہ جہانگیر کے بزم شاہانہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ اُس وقت مولانا علی احمد نشانی ولد مولانا حسین نقشی دہلوی مشہور شاعر جو علاوہ کمال شاعری کے علم ہیئت اور طبعی میں بے مثال اور انشا اور املا میں بے نظیر اور جملہ خطوط میں ید طولیٰ رکھتے تھے موجود تھے۔ جب سیدی شاہ قوال نے امیر خسرو رح کی یہ بیت گائی ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

مولانا کو ایسا ذوق پیدا ہوا کہ فوراً سجدے میں گر گئے اور اسی حالت سجدہ میں انتقال کیا۔ (ماخوذ از توزک جہانگیری و نگارستان سخن)

رزم - مولانا نظامی مثنوی - شیخ سعدیؒ غزل اور اخلاقی مضامین کے مرد میدان تھے - لیکن اس صاحب کمال کو نظم کے ہر شعبے میں یکساں کمال حاصل تھا۔ غزل میں وہ شعرائے متقدمین اور شعرائے عہد سب سے بڑھے ہوئے ہیں مثنوی کے دربار میں اُن کی کرسی مولانا نظامی کے برابر ہے - قصیدے کے میدان گھوڑ دوڑ میں وہ خاقانی سے کچھ پیچھے اور ظہیر وغیرہ کے دوش بدوش ہیں اُن کے دو قصیدے بحر الابرار اور انیس القلوب فصاحت و بلاغت کے ایسے معراج کمال پر پہنچے کہ بڑے بڑے فضلا سے روزگار نے اُن کے جواب میں طبع آزمائیاں کیں مگر کسی کا جواب اُن کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اخلاقی مضامین میں اُن کا نمبر شیخ سعدی کے بعد ہے - اور کثرت کلام اور صنائع بدائع کے لحاظ سے غالباً وہ فارسی کے جملہ شعراے متقدمین اور متاخرین کے سرتاج ہیں۔

امیر خسرو رح کے کمالات شاعری اور ادب پر ریویو کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے لہذا اس مقام پر صرف چند مشاہیر شعرا اور فضلا کی رائیں اُن کے کلام کی نسبت درج کی جاتی ہیں -

مولانا نورالدین جامی رح بہارستان میں فرماتے ہیں -

امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ در شعر تتبعے است قصیدہ و غزل و مثنوی در زندہ و ہمہ بکمال رسانیدہ۔ تتبع خاقانی مے کند ہر چند در قصیدہ بوے نرسیدہ اما غزل را اشو سے گذرانیدہ غزلہاے بواسطۂ معنے آشناکہ ارباب عشق و محبت بحسب ذوق و وجدان خود

---

[۱] فارسی کی غزل سرائی میں دو قسمیں ہیں - ایک واقعہ بندی اور دوسرے خیال بندی واقعہ بندی میں امیر خسرو رح کو ید طولےٰ حاصل تھا اور سعدی - ترک - ولی - وحشت - بیاض - آقا شاپور وغیرہ واقعہ بند شعرا اُن کے پیرو ہیں - امیر خسرو رح نے غزل سرائی کو اپنے عشق اور تصوف سے جلوہ دیا - اِسی روش پر مولانا جامی کا کلام ہے -

بادہ۔ بے یا بند مقبول ہمہ کس او ... دہ است خمسہ نظامی بر از وے کسے در جواب نگفتہ در آں شنو یا دیگر دار دہمہ مطبوع و مصنوع۔

ایک دوسرے مقام پر امیر خسرو رح اور امیر حسن رح کی نسبت فرماتے ہیں ؎

آں دو طوطی کہ بنو خیزی شاں	بود در ہند شکر ریزی شاں
عاقبت سخرۂ افلاک شدند	خامشاں قفس خاک شدند

میر آزاد بلگرامی وقوع گوئی کا بانی مبانی ان کو بتاتے ہیں اور اپنے کلام کی تائید میں ان کا یہ کلام پیش کرتے ہیں ؎

خوش آں زماں کہ بر ویش نظر نہفتہ کنم		چو سوئے من نگرد و نظر بگردانم
غلام آں نفسم کا دم چو خانہ او	ولہ	بخشم گفت کہ از و بشند بیرونش
چو رفتم بر درش بسیار۔ درباں گفت ایں ہمیں	ولہ	گرفتار ست شاید کایں طرف بسیارے آید

اور ان کے کلام کی نسبت فرماتے ہیں ؎

اے خسرو شوخاں چہ کند وصف تو آزاد	دیگر	خوباں گل فتنہ ز دیوان تو یابند
بر خسرو نمکیں شعر ترا خواند آزاد		از نمکدان تو شد تازہ گرفتارئے دل

صاحب تذکرہ مراۃ الخیال تحریر فرماتے ہیں۔

بیکے بیت از آں عارف حقیقی (امیر خسرو) کہ در صنعت ایہام ذی الوجوہ واقع شدہ عجب تر از آں کسے نگفتہ است اکتفا نمود و صنعت مذکور چناں است کہ شاعر لفظے در شعر درج نماید کہ آں را دو معنے یا زیادہ باشد و حضرت امیر دریں بیت لفظے آوردہ کہ ہفت معنے صحیح از آں بر مے آید۔ وہی ہذا شعر

چیل تن شاہی و بسیار است بارت بر سریر زاں مرنج اے ابر و باغ ار گو ہمیت بسیار بار

لہ ان دونوں بیتوں کے آخری مصرعے امیر خسرو رح کے ہیں اور اول مصرعے میر آزاد بلگرامی کے ہیں جو انہوں نے امیر خسرو رح کے مصرعوں میں تضمین کئے ہیں۔

در لفظ بار کہ آخر است ہفت معنی ظاہر مے گردد۔ اوّل۔ تو پیل تنی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار یعنے گراں بار۔ بار تو بسیار است۔ دوم۔ تو شاہی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار۔ چہ بار دادن بادشاہاں عبارت از جلوس فرمودن است بر سریر سلطنت و خود را بخاص و عام نمودن۔ سوم۔ تو شاہی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار یعنی بسیار نیکو کار۔ چہ بار در لغت نیک کردار است۔ چہارم۔ تو شاہی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار۔ یعنی بسیار بار ترا شاہ گویند پنجم تو ابری ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار یعنے بسیار بارندہ۔ ششم۔ تو ابری ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار یعنے بسیار بار مغتنم۔ اے باغ ازیں مرنج کہ ترا بگویم بسیار بار یعنے بسیار میوہ آور و میوہ دار۔

و ایں بیت امیر را تا امروز ہیچکس جواب نتوانست رسانید۔

مولانا ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی تحریر فرماتے ہیں۔

امیر خسرو در خسرو شاعران سلف و خلف بودہ است و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات غریبہ نظیر نداشت و ہرچہ نسبت طبع لطیف و موزون کند باری تعالیٰ او را در آں ہنر سر آمدہ گردانیدہ بود و وجود بے عدیم المثال آفریدہ و در قرن متاخر از نوادر اعصار پیدا آورد۔

شاہزادہ دارا شکوہ سفینۃ الاولیا میں لکھتے ہیں۔

در شعر چناں قادر بودند کہ مطلع انوار را کہ در جواب مخزن اسرار است در دو ہفتہ تمام کردہ اند و در اشعار ایشاں یکہ بیتہا است کہ کم کسے باں خوبی گفتہ باشد و ایں بیت از یکہ بیتہاے ایشان ست ؎

ز لعنت نہر دو جانب خونریز عاشقان ست چیزے نمیتواں گفت یرو تو درمیان ست

و مضمونہاے تازہ عالی در اشعار میر آں قدر است کہ اگر ہمہ را جمع کنند از تصانیف بعضے زیادہ مے شود و ہمیں طور در اقسام زبان و فنون علم ہندی بے مثل بودہ اند و بجامعیت ایشاں کم کسے گذشتہ۔

کاتبی نیشاپوری کا قول ہے۔

گر حسن معنی ز خسرو برد نتواں عیب کرد ‏ ‏ ‏ زانکہ استاد است خسرو بلکہ ز استادان یاد

امیر خسرو رح کے تتبع کرنے والوں میں خواجہ عصمت اللہ بخاری بھی ہیں۔ جب کاتبی کے زمانے میں ان کے کلام کی شہرت ہوئی تو ایک دن کاتبی نے امیر خسرو رح کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا کہ عصمت آپ کا ایک ادنےٰ خوشہ چیں ہے۔ اس کے اشعار کی آپ کے اشعار سے زیادہ شہرت کا کیا سبب ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کا کوئی خوف نہیں۔ عصمت کے اشعار میرے ہی اشعار ہیں۔ اس واقعہ کو کاتبی نے خود اس طرح تحریر فرمایا ہے۔ ؎

میر خسرو را علیہ الرحمہ شب دیدم بہ خواب	گفتم ایں عصمت نہ ایک خوشہ چین خرمن است
شعر او از شعر تو چوں بیشتر شہرت گرفت	گفت ہاکے نیست شعر او ہمیں شعر من است

نواب محمد صدیق حسن خاں مرحوم شمع انجمن میں لکھتے ہیں۔

خسرو دہلوی خسرو قلمرو معانی است و صاحبقران سواد اعظم سخندانی۔ نمک کلامش شور انگن انجمنہا و سوز سینۂ او آتش زن خرمنہا۔ در زبان عرب و عجم و ہند سخن گفت۔ عدد اشعارش بہ پنج لک شعرے رسد۔ سخن آفرینے باایں قدرت و سرآمگی در ایراں دیار ہم نہ برخاستہ۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ صنائع و بدائع کہ در قدماے از خسرو دہلوی و در متاخرین از شیخ حبیب اللہ اکبرآبادی بروۓ کار آمد در قالب گفت درنیاید موقوف بر گلگشت مؤلفات و مجامیع ایشان است۔

مولوی ابوالحسن صاحب شارح مطلع الانوار فرماتے ہیں۔

خسرو دہلی ست بنزد حسن ‏ ‏ ‏ خسرو اقلیم سخن بے سخن

مولوی ظہیر الدین صاحب فرماتے ہیں۔

بر اربابِ سخن شناس پوشیدہ نیست کہ ہر چند مذاقِ سخن تمام اہلِ سخن ہر یک بطرزِ جداست کہ یکے بہ دیگرے نمی ماند مگر کلامِ معجز نظام حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ را شانے و آن دیگر است کہ وے دارد داند کہ در خانہ کیست و در نامہ چیست فہم من فہم ؎

از اندرونِ خانہ چو آید ندا بروں خود از مکیں بود متصور نہ از مکاں

ہر یک از شعرا بقدرِ حصہ از مبدءِ فیوض نصیبے دادہ اند کہ دراں صفت مستثنے است گر حضرت این خسروِ اقلیمِ سخن از ہر صفت و ہر صنف بہرۂ وافی و نصیبے کافی است ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

منشی احمد حسین خاں صاحب حالاتِ سعدی میں فرماتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو شہرت گلستان و بوستاں کی بدولت شیخ (سعدی) کو نصیب ہوئی اُس کا عشرِ عشیر بھی خسرو رح کو نہیں ملا۔ مگر چشمِ انصاف سے دیکھکر یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ امیر خسرو کی بعض غزلیات شیخ کی غزلیات سے بڑھی ہوئی ہیں۔

مسٹر ٹامس ولیم بیل صاحب اورینٹل بایوگرفیکل ڈکشنری میں لکھتے ہیں۔ کہ امیر خسرو ہندوستان کے سب سے بڑے مشہور شعرا میں ہیں ہندوستان میں اُن کی کتابیں مقبول عام ہیں اور نفس الواقعہ وہ ایران کے نہایت قابل قدر شعرا کے کلام کا مقابلہ کرتی ہیں۔

حسین قلی خاں عظیم آبادی صاحب تذکرہ "ریاض الشعرا" لکھتے ہیں۔

وے (امیر خسرو رح) جامع کمالات صوری و معنوی و حاوی فضائل ظاہری و باطنی و عالمِ معقول و منقول و ماہرِ فروع و اصول بود از خداوندانِ کمال گوئے سبقت ربودہ و از اربابِ فضیلت در معرکہ فضیلت و دانشوری قدم پیش گذاشتہ و در جمیع نزاکتِ سخن و رسالت ایں فن شانے عالی و مقامے متعالی دارد۔ شرح نسخۂ فنون دانی او بیرون از حوصلہ تقریر و بیانِ انسان است باتفاق صلایان سخن و صاحبانِ ایں فن سوز و گداز عاشقانہ و تاب و

و طبیش بیہ للہ کہ در کلام وے یافتہ مے شود در سخنِ دیگرے کمتر تواں یافت۔ ہر مصرعہ اش معجزہ است براں و ہر بیتش تیغے است چوں تیغ ابروئے خوباں۔

مولانا امجد علی صاحب اشہری کتاب "ایشیائے شاعری" میں تحریر کرتے ہیں:

اِس دور کے قابلِ قدر زمانے میں جبکہ شیراز کو سعدی اور حافظ جیسے سخن طرازوں سے بلند نامی حاصل تھی دلی کو امیر خسرو دہلوی کی سخن آرائی نے دوسرا شیراز بنا رکھا تھا خسرو کے کمالاتِ شاعری اور ادب پر ریویو کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہوسکتا۔ میرے نزدیک اِس مرتبے کا شخص نہ صرف دلی بلکہ تمام دنیا میں بھی دوسرا نظر نہیں آیا جسکی تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا واسطہ مبدء فیاض سے مضمون پارہا اور بلا ذریعہ لوحِ محفوظ کو دیکھ رہا اور اس کی نقل اتار رہا ہے اور جو اس کا اور صرف اس کا حصہ ہے۔

ظاہر ہے کہ شاعر کی طبیعت کا میلان مختلف وقتوں یعنی مختلف عمر میں یکساں نہیں رہتا اِس سبب سے سب سے پہلے امیر خسرو رح کی جدت پسند طبیعت نے اپنے کلام کو مندرجہ ذیل چار قسموں میں تقسیم کرکے چار دیوانوں پر مشتمل کیا۔

اوائلِ عمر	عہدِ جوانی	سن کہولت	پیرانہ سالی
تحفۃ الصغر	غرۃ الکمال	وسط الحیات	بقیہ نقیہ

دیباچہ بقیہ نقیہ میں خود فرماتے ہیں۔ دریں وقت اکثر طبائع بغزل میل وارد وازاں روز بازار فارس گرم است و راویانِ سخن مے خوانند تا از شعلۂ غزل محرق مجالس را گرم گردانند اکنوں مصلحت آں دیدم کہ بہوائے دلِ خویش کہ کثافتِ طبیعت او آب گشتہ است از نائرۂ قلم روانہ گردانم و در اوصاف ہر غزل چہار تشبیہ۔ چہار عنصر برائے نمونۂ شعر ہر آئینہ تخیل حکما از چہار

طبع خویش رواں سازم تا بدانند شعر

تا بدانند کہ یک طبع رہے ہست چہار — کہ ہمہ زاید از و معدن و حیوان و نبات

معلوم خواطر اصحاب طبع باد کہ مرتبۂ اول غزلیات بمثابۂ خاک سرد و خشک و کثیف و نازک است
ایں غزلہا نیز بہ نسبت صنائع و بدائع خشک و تکلیفات سرد و کثیف تکلفات و کثافت میل
کند چوں بکام پرداخت۔ آں دیوان اول تحفۃ الصغر ست ایں طفل خاک را کہ ایام خاکبازی
ست با طفلاں و ہر ضعیفے رغبتے تمام غزلہائے دیوان بریں افتادہ است شعر

سہل باشد نباشد آں بسیار — کانچناں اندک ست نے بسیار

مرتبۂ اول بود مرتبہ دوم غزلہا آب بود چوں آب بر خیال لطیف و از خاک برتر ست و از کدورت
الفاظ کثیف بصفا وسط الحیوٰۃ ست گرم و تر افتادہ است گوئی آب ست کہ از آتش
طبع خویش جوش بسیار یافتہ است از محل مائیت بمرتبہ ہوائیت رسیدہ و در حد مائیت خویش
ماندہ .... و مرتبہ سوم غزلہائیست برشنہ باد چوں خاصیت آب گرم و تر
افتادہ است و ایں غزلہا لطیف ترست و رواں تر و برتر و از بس لطافت نقل پذیر نبود و
ایں غزلہا نیز مانند باد گرم و تر افتادہ است و از غزلہائے کہ مانند آب لطیف و رواں تر
و عالم بے بر و از آتش طبع قوت بسیار یافتہ است و از مقام ہوائیت بمرتبہ مائیت رسیدہ
و ایں از آن غرۃ الکمال ست۔ غزلہائے او نیز بریں نوع افتادہ است باید کہ خوانندۂ طبع
وقاد تاویل نماید و مرتبۂ چہارم غزلہائے مثال آتش ست چنانچہ آتش میل علو دارد و ہیچ
سر بہ پستی فرود نیارد و تنزل را در وے راہ نبود ہیچ طبعے از و بلند تر نبود و باو نرسد چنانچہ
حرارت خاصۂ آتش ست در دلہائے نرم چوں آتش در پنبہ گیرد و دلہائے آہنیں را قدرے نرم
سازد و اگر دلے ست کہ در عشق جائے دارد نیک بسوزاند و خاکستر گرداند۔ غزلہائے
بقیۂ نقیہ و بعد ازیں اگر شعلۂ روشن و آتش طبع وقاد کہ در شعر بود امید ست کہ از ایں
غزلہائے سوزاں بلند کردہ اثیر را سراسر آتش پارے گردانم بہ مثابتے کہ شعلۂ سوزان آں از

خرمن آں رہرو نوشتہ عطار دگیرد ہ ماتحہ اشراق آں مہ چرخ افتد وشعلۂ آفتاب را آب گرداند۔

دیوان تحفۃ الصغر۔ وسط الحیات۔ غرۃ الکمال۔ بقیہ نقیہ کی نسبت الیٹ صاحب اپنی تاریخ میں حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

امیر خسرو رح۔ کے پہلے دیوان کا نام تحفۃ الصغر ہے اور اس میں وہ تصنیفات شامل ہیں جو انھوں نے سولہ[۱۶] برس کی عمر سے انیس[۱۹] برس کی عمر تک تصنیف کیں یہ دیوان سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کا ہے۔ اس میں علاوہ غزلیات کے سلطان اور شاہزادوں اور دیگر امراء کی مدح میں قصائد ہیں جو اکثر نوروز اور عید کے موقعوں پر لکھے گئے ہیں۔ ترجیع بند عموماً حضرت نظام الدین اولیا رح یا سلطان بلبن کی شان میں ہیں۔ دوسرا دیوان وسط الحیات ہے جس میں چوبیس[۲۴] برس کی عمر سے بتیس[۳۲] برس کی عمر تک کی تصنیفات شامل ہیں اور اس کے قصائد عموماً حضرت نظام الدین اولیا رح کی مدح میں ہیں باقی قصائد دیگر امرا کی شان میں ہیں۔

تیسرا دیوان غرۃ الکمال ہے یہ امیر خسرو رح کا تیسرا اور سب سے بڑا دیوان ہے۔ اور مفتاح الفتوح بھی جو کہ ایک مثنوی ہے اسی دیوان میں شامل ہے۔ لیکن بوجہ اپنی عمدگی اور ترتیب کے علحدہ کتاب خیال کی جاتی ہے۔ اس دیوان کے اکثر نسخوں میں یہ مثنوی بلکہ اس کے علاوہ اور دوسری مثنویاں بھی شامل ہیں۔ لیکن جو نسخہ نواب ضیاء الدین خاں دہلوی کے کتب خانہ میں تھا اس میں مثنوی وغیرہ کچھ نہ تھی۔ اور چونکہ اس نسخہ پر ترکانہ شاہی اور جان بیگ کی مہر تھی اس لئے گمان غالب ہے کہ یہی نسخہ مستند ہو۔ اس دیوان میں چونتیس[۳۴] برس سے بیالیس[۴۲] برس تک کی عمر کی تصنیفات شامل ہیں۔ اس کے شروع میں ایک پُرلطف اور دلچسپ دیباچہ ہے۔ جس میں مصنف نے اپنے حالاتِ زندگی قلمبند کئے ہیں۔ اس میں بھی حضرت نظام الدین اولیا رح اور دیگر امرائے دربار کی شان میں قصائد موجود ہیں اور ایک مرثیہ بھی ہے جو مصنف نے شاہزادے

افتخار الدین پسر سلطان جلال الدین کی وفات پر موزوں کیا تھا۔ اس دیوان میں نوروز اور عید وغیرہ کے موقعوں پر جو نظمیں موزوں کی گئی تھیں وہ سب موجود ہیں۔ دیوان کا حجم تقریباً ۷۹۴ صفحہ ہے۔

تصنیفات

چوتھا دیوان بقیہ نقیہ ہے اس میں پچاش برس سے لیکر چونسٹھ برس تک کی عمر کی ہیں۔ اس میں بھی سند رجہ بالا لوگوں کی شان میں قصائد سلطان کی وفات پر ایک مرثیہ اور اس کے علاوہ متفرق مثنویاں ہیں جو کہ شاہزادہ کی شادی اور دوسرے موقعوں پر نظم کی گئی تھیں۔ دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں امیر خسرو رحم لکھتے ہیں کہ چونکہ لڑکپن کا زمانہ تھا اس واسطے میں نے کبھی کلام جمع کرنیکا خیال نہیں کیا۔ میرا بھائی تاج الدین زاہد جس کی باریک بین طبیعت مشاطۂ طرۂ اشعار ہے اُن اشعار کو فراہم کر لیتا تھا اور جو کچھ میں نے ۱۶ برس کی عمر سے ۱۹ برس کی عمر تک کہا اس کا ایک مجموعہ اس نے بنایا۔ میں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ پانی میں ڈبو دینے کے قابل ہے۔ اُس نے نہ مانا اور فرمایش کی کہ اس کو مسلسل کر دو۔ چنانچہ میں نے ہر حصہ کلام پر ایک شعر اسکے عنوان کے طور پر لکھکر لگا دیا۔ یہ میرا ایجاد ہے۔ مجھ سے پیشتر کسی نے یہ سلسلہ قائم نہیں کیا۔ اس دیوان کا نام تحفۃ الصغر ہے۔ سچ یہ ہے کہ ہر چند اوراق باطل جمع ہیں۔ میدان تشبیب ترانہ سے معمور تھا۔ اور پاؤں میں لنگ تھی۔ میں نے بہت چاہا کہ باوپائے قلم کو جنبش نہ کرنے دوں لیکن دوستوں نے نہ مانا۔ عموماً سب اور خصوصاً بھائی تاج الدین برابر مصر ہے میں برسوں اس تاج بخش گوہر کے سلک محبت میں گرفتار رہا ہوں اور اخوت کے اثر نے ہم دونوں کو بے مبالغہ برادران توام کی مثال بنا دیا ہے خدا ہمارے بھائیوں کی تعداد میں ترقی دے۔

یک جام یگانہ شد باد ور گمانم کہ ایں منم یا او

اُس کا مقصود یہ تھا کہ یہ دفتر پریشاں کسی شمار میں آجائے میں کہتا تھا کہ لوگ اعتراض کریں گے۔ وہ کہتا تھا کہ دانا یہ دیکھ کر کہ یہ بچپن کا کلام ہے اعتراض نہ کرے گا۔ نادان کے اعتراض کا لحاظ کیا۔ میں کہتا تھا کہ اس میں سشتر (گر بہ ذرطب و یابس) بہت ہے۔ اُس کا جواب تھا کہ لوگ اس کو تعویذ بنا کر موتیک بازو بازو کی جو ہیا (؟) پہ باندھیں گے۔

غرض برادر موصوف کے اصرار سے۔ اس مجموعہ کو یاران خوب شمائل کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ بطیب خاطر قبول فرمائینگے۔

امیر خسرو رح کے ان چاروں دیوانوں میں سے آج کل عام طور سے کوئی دستیاب نہیں، ہوتا اُنھوں نے اپنی زندگی میں ان چاروں دیوانوں سے انتخاب کرکے ایک دیوان مرتب کیا تھا جس کا نام عناصر خسروی ہے۔ یہ اُن کے کل کلام کا عطر یا اُن کے گلستان شاعری کا ایسا خوشنما گلدستہ ہے۔ جس میں گلہاے رنگا رنگ اپنے قدرتی جوبن دکھا رہے ہیں۔ اِس کے مختلف اشعار انواع واقسام کے صنائع وبدائع سے آراستہ اور اُس کی غزلیں مضامین عاشقانہ۔ صفائی بیان۔ طرز ادا کی نزاکت سے پیراستہ ہیں۔

علمی دنیا منشی نول کشور صاحب سی۔ ایس۔ آئی کے اِس احسان کی ہمیشہ ممنون ومشکور رہے گی کہ اُنھوں نے دس برس کی لگاتار تلاش وجستجو کے بعد عناصر خسرو کا ایک پُرانا قلمی نسخہ جو مصنف کے بہت قریب زمانے کا لکھا ہوا تھا دستیاب کرکے ۱۸۷۱ء میں اُس کو اپنے مطبع میں چھپوا دیا جو اُن کی بدولت شائقین کو آج تک عام طور سے مل جاتا ہے۔

دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرے میں امیر خسرو رح کے دیوان کی نسبت حسب ذیل تحریر فرمایا ہے۔

دیوان امیر خسرو رح کو فضلاے عہد جمع نہ کرسکے اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح سمندر کا برتن میں اور علم لدنی کا تحریر میں آنا ناممکن ہے اسی طرح اُن کا کل کلام جمع کرنا ناممکن امر ہے۔ شاہزادہ سعید بایسنغر بہادر نے نہایت تلاش اور کوشش سے ایک لاکھ بیس ہزار[۱۲۰۰۰۰] بیتیں غزلیات کی جمع کرکے خیال کیا کہ اُن کا کل کلام جمع کرلیا لیکن اس کے بعد دو ہزار[۲۰۰۰]

لہ مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی (از مخزن)

جتیں ایک، دوسری جگہ سے دستیاب ہوئیں۔ اور جب لوگوں کو تحقیق ہوگیا کہ ان کے کل اشعار جمع کرنا مشکل ہے تو لوگوں نے اس خیال کو ترک کردیا۔

غرۃ الکمال خسرو میں اکیس قصیدے، آٹھ سو نوے غزلیں ستاون قطعات و رباعیاں ہیں۔ اس کے کل اشعار کی تعداد سات ہزار سات سو پچاس ہے۔ ہر غزل یا قصیدہ کے شروع میں نام دیوان کا جس سے وہ قصیدہ یا غزل منتخب کی گئی ہے لکھا گیا ہے۔ اس خزائن خسروی سے چند گوہر بے بہا دکھائے جاتے ہیں۔

قصیدہ فی توحید باری تعالیٰ

اے ز خیال ما برون در تو خیال کے رسد	با صفت تو عقل را لاف کمال کے رسد
گر ہمہ مردم و ملک خاک شوند بر درت	دامن عزت ترا گرد زوال کے رسد
کنگرِ کبریائے تو ہست فراز لامکاں	طائرِ ما دراں ہوا بے پر و بال کے رسد
بر در بے نیازیت صد چو حسینِ کربلا	تشنہ بماند بر گذر تا بہ زلال کے رسد
ہست بہ حجلہ گاہ دل جلوۂ قرب روز و شب	لیک بجلوہ چناں چشمِ خیال کے رسد
زاں چمنے کہ بلبلش روح قدس نمی سزد	گلخنیانِ خاک را بوئے وصال کے رسد
توسنِ چابکاں سبک عرصہ کوئے نیکواں	آنکہ فتاد مرکبش بر سرِ حال کے رسد
حرمت رو عاشقاں بر سرِ جوں منی سزد	راہروان پاک را لوثِ وبال کے رسد

آیت رحمت از حرم ہست برائے حاجیاں
خسرو بت پرست را جز خط و خال کے رسد

ایضاً

اے بہ درماندگی پناہ ہمہ	کرم تست عذر خواہِ ہمہ

بند نعلین رہروان ورت ٭ شِ بہ تکمۂ کلاہ ہمہ
قطرۂ ز ابرِ رحمتِ تو بس است ٭ شستنِ نامۂ سیاہ ہمہ
از رہے بر مرا کہ در تو رسم ٭ اے لبسوے درِ تو راہ ہمہ
کینہ ہا ہمہ فزوں ز قیاس ٭ عفوت افزوں تر از گناہ ہمہ

خسروا از تو پناہ مے جوید
اے پناہِ من و پناہِ ہمہ

قصیدہ فی نعت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اے رسالت را علم افراختہ ٭ دستِ تو تیغِ شریعت آختہ
مرکبت کو بر مکاں بنہاد پائے ٭ قدرِ تو بر لامکا نش تاختہ
آدم و من دونہ تحت اللوا ٭ آمدہ چوں تو لوا افراختہ
تہ قبائے چرخ را خیاط صنع ٭ خاص بہرِ قامتت افراختہ
میم احمد را گزیدہ بعد ازاں ٭ خاتمِ مہرِ نبوت ساختہ
ہر کہ او از میمِ احمد طوق یافت ٭ در پیے کوئی رود چوں فاختہ
جز خدا کس حدِ تو نشناخت زانکہ ٭ کس خدا را ہمچو تو نشناختہ
تافتہ نورِ تو از روزِ ازل ٭ پرتوِ خود تا ابد انداختہ
دیدہ کش در نظر ناید بہشت ٭ عشق با خاکِ جنابت باختہ
عاصیان زرد رو را کردگار ٭ از برائے روئے تو بنواختہ

بندہ خسرو تا نویسد نعتِ تو
ز آتشِ دل جانِ خود بگداختہ

قصیده فی المدح سلطان علاؤ الدین محمد شاه خلجی

درآ ای همچو شاخ گل لطیف و نازنین و تر | نشاط انگیز و عیش افزا و راحت بخش جان پرور
نه دیبائی بلطف و نازکی و تازگی پیشت | چه ریحان و چه نسرین و چه شمشاد و چه نیلوفر
ز عکس عارض و جعد و بناگوش و دو چشم تو | دمد لاله چمد سنبل فتد نسرین پرد عبهر
ز گلگشت و چو افشان نسیم و عطر تو بوید | چمن روح و سمن طیب صبا مشک و گیا عنبر
تن و روی و خط و خد و بر و قد و لب لطفت | مه و مهر و شب و روز و گل و سرو و مے و شکر
شبم در هجر و بیداری و شوق و غم بود بے تو | نفس مونس حجر بالش خسک بالین زمین بستر
زهے ابرو و مژگان همچو از نرگس غمزه | خصومت ساز و عاشق سوز و افسون خوان و جادوگر
بیا آیا تو شادم خرم و آسوده و خندان | شوم همدم کنم عشرت خورم باده کشم ساغر
که هست از عون و عدل و بذل و احسان شه عالم | جهان خیمه امان محکم طرب بے حد خوشی بے مر
جهانداری نکوکاری فلک قدری ملک صدری | علاؤ الدین علو حق محمد نام محمد فر
سرافراز و سرانداز و جهانگیر و مخالف کش | ظفریاب و گهرپاش و جهان بخش و کرم گستر
ره رای و دوم خلق و فن علم و هنر صافش | ثمر دارا بیخ و جان را شاخ و تن را برگ حق را بر
امان و امن و عدل و راحت ست اندر زمان او | بشرق و غرب شهر و ده و کوه و دشت و بحر و بر
جمال و زیب و یمن و فر گرفت از خطبهٔ نامش | رخ جمعه صفت قبله در مسجد سر منبر
بزرگ و خرد و خاص و عام را در ذکر ذات او | صفت ورد و لقب حرز و دعا یاد و ثنا از بر
ربود و بود و بشکست و ببست باد سنان او | ز مردان دل ز شیران جان ز خصمان تن ز شاهان سر
وران روزے که از فهم و لوا و حتاک خون گردد | جهان و هم هوا ابرش قضا ابلق سما خنجر
سواران و یلان و پردلان و صفدران بینی | سمند انداز و خنجر گیر و ناوک بار و جولان گر

به آهنگ و رنگ و حیله و حمله شود پیدا ॥ دل از شست و بز از گرگ و سگ از شیر و دلیر از غر

کند شاه از سنان و تیر و گرز و حربه گر خواهد ॥ فلک زیر و زمین بالا و دوران پشت و رو هر ابتر

حسود و دشمن و بدخواه و خصمش را رسد هر دم ॥ به دل ناوک به جان زوبین به تن نیزه به سر خنجر

بشست هر دو دست کرد و شستِ قوس و پشتِ پل ॥ رود ناوک دو و میلیک جهد سورے پر دگلبر

ز رعب بیم و ترس و هیبت شه گم کند آن دم ॥ ثوابت جا، سیاره کواکب پا، ملایک پر

کشاید چار چیز از چار جا یک زخمِ تیر او ॥ ز تن خون، فنا از آب، و ز که دود، و ز سنگ آذر

بهر جائے صف و کوس رکاب مرکبش باشد ॥ شرف کوکب، علو رایت، بقا ساقه، ظفر رهبر

جهان آرا به علم و حلم و مهر و کین سر آید دم ॥ تنِ عالم، دلِ دریا، کفِ معدن، سرِ لشکر

سریر و ملت و ملک و جهان در ضبط خود کرده است ॥ به کار و بار و دین و کیش و دوست و شست و زند و زر

ز عنف و لطفِ تو هستند مردم عاصی مفلس ॥ به نار و نور و دود و داد و سوز و ساز و خیر و شر

ز کلیت هر امیر و پهلوان و گرد و لشکرکش ॥ تهمتن تن، سیاوش وش، فریدون فر، سکندر در

حریم بار و چترِ ملک و نعلِ اسپ و پابوست ॥ درِ خلد و شبِ قدر و مهِ عید و حجِ اکبر

ستر در صنوان و حور و آفتاب و زهره در بزمت ॥ نشاط آغاز و ساحت زیب و نقل آرائے و خنیاگر

ز طبع و ذهن و فهم و وهم خسرو یافت در مدحت ॥ زبان گوهر، سخن هدیه، قلم حلیه، ورق دفتر

همیشه تا بشکلِ طول و عرض و عمق جسم آمد ॥ زهِ قوس و جد جدی و سرِ قطب و خطِ محور

بجز رزم و عزم و بزم و رزم بادت هر کجا خواهی
قدر حالی فلک خادم قضا حافظ خدا یاور

غزلیات

بقیہ نقیہ

اے چهرهٔ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری ॥ هر چند وصفت میکنم لیکن ازاں بالاتری

آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

تا نقش می بندد فلک کس را نداده این نمک
حورے ندانم یا ملک فرزند آدم یا پری

ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رویت خوبتر
شمسی ندانم یا قمر یا زہرہ یا مشتری

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

تو از پری چابکتری وز برگِ گل نازک تری
وز ہر چہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری

عزمِ تماشا کردۂ آہنگ صحرا کردۂ
جان و دلِ ما بردۂ اینست رسمِ دلبری

لعلِ بدخشاں دیدہ ام الماس سنجیدہ ام
دُرِّ عدن را چیدہ ام یکتا تو دُرِّ گوہری

عالم ہمہ یغمائے تو خلقے خدا شیدائے تو
آں نرگسِ شہلائے تو آوردہ رسمِ کافری

اے راحت و آرامِ جاں با قدِ تو سروِ رواں
زینساں مرو دامنکشاں کآرامِ جانم مے بری

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہرِ شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

تحفة الصغر

ابرے بارد و من میشوم از یار جدا
چوں کنم دل چنیں روز ز دلدار جدا

ابر باران و من و یار ستادہ بوداع
من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

سبزہ نوخیز و ہوا خرم و بستاں سرسبز
بلبلِ روے سیہ ماندہ ز گلزار جدا

اے مرا در تہ ہر بند ز زلفت بندے
چہ کنی بند ز بندم ہمہ یکبار جدا

دیدہ ام بہرِ تو خونبار شد اے مردمِ چشم
مردمی کن مشو از دیدۂ خونبار جدا

نعمتِ دیدہ نخواہم کہ بماند پس ازیں
ماندہ چوں دیدہ ازاں نعمتِ دیدار جدا

دیدہ صد رخنہ شد از بہرہ تو خاکی زرست
زود برگیر و بکاں رخنہ پئے نار جدا

مے دہم جاں مرو از من وگرت باور نیست
پیش ازاں خواہی تو بستان و نگہدار جدا

حسن تو دیر نماندہ چو ز خسرو رفتی
گل بسے دیر نماندہ چو شد از خار جدا

مسلمانان گرفتارم بدستِ نامسلمانے ۔ ازین بیگانہ بدمستے و بدخوئے و نادانے
بطرہ آشنا بندے بخندہ پارسا بینے ۔ بغمزہ ناخدا ترسے بکشتن نامسلمانے
بابرو فتنہ انگیزے بنرگس عالم آشوبے ۔ بہ بالا آفت آبادے بکاکل کافرستانے
دعاے بد نخواہم کرد لیکن اینقدر گویم ۔ کہ یارب مبتلا گردے چو من روزے بہجرانے
طبیبان بہرِ جانِ ناتوانم غم مخور چندے ۔ رہا کن جانِ من زیرا نمی ارزم بہ درمانے

کنوں یادِ شراب و شاہد و مستی و قلاشی
گذشت است آنکہ خسرو را سرے بود است و سامانے

گرچہ خوباں ز حد فزوں باشند ۔ پیشِ آں ماہِ من زبوں باشند
مردمانے کہ روے او دیدند ۔ تا بباشند سرنگوں باشند
گفتمش بندہ ایم گفت خموش ۔ تو چہ دانی کہ بندہ چوں باشند
یار مہمانِ تست اے دیدہ ۔ مردمان اگو بروں باشند
اے دلِ خوں گرفتہ عشق میار ۔ کہ بتاں تشنگانِ خوں باشند
عاقبت را جواب مے جویند ۔ دردمنداں کہ بے سکوں باشند
عقل و ردِ درست زیں معنی ۔ عارفاں عاشقِ جنوں باشند
تو بروں رو کہ سینہ ام کانِ جاں ۔ یارِ یاراں ز دروں باشند

عشق بازی ز خسرو آموزند
لیلے و مجنوں از کنوں باشند

چہ بلاست از دو چشمت نظرِ نیاز کردن ۔ مژہ را گشاد دادن درِ فتنہ باز کردن
چو کمالِ صنعِ بے چوں ز جمالِ تست پیدا ۔ نتواں حدیثِ عشقت ز رہِ مجاز کردن
ہمہ خوابِ مردماں شد بد و دیدہ تلخ یارب ۔ ز کجات گشت شیریں حرکاتِ ناز کردن
چہ خوش ست با تو خلوت کہ دمے سرشکِ خونیں ۔ ز خراشِ دل گواہی بہ زبانِ راز کردن

تو بخسپ خوش که ما از غمش چو شمع جو شد — همه روز زنده بودن همه شب گداز کردن

بحجلت دل نهادم بکن آنچه می توانی — چه کنم که می توانم ز تو احتراز کردن

بهوس فدا کنم جاں بدرت که نیست عاری — پی سر سبکی ایں را هوس ایاز کردن

صف عاشقانست اینجا مده اے فقیه زحمت — که بشهر بت پرستاں نتواں نماز کردن

چه بود متاع خسرو که کند نثار جاناں
عجمے چه طعمه راند به دهاں باز کردن

بخرام اے سرو رضواں کز باغ رضواں خوشتری — دلدادگان خویش را مے کش که از جاں خوشتری

در هوشیاری مهوشی سرمست و غلطاں دلکشی — چوں بوکنی شانه کشی طره پریشاں خوشتری

چوگانت دلجوے از همه سر بیده هر موے از همه — خوش میبری گوے از همه در لعب چوگاں خوشتری

با آنکه خوش باشد چمن از سرو و نسرین و سمن — بسیار دیدم از تو من بسیار از ایشاں خوشتری

هر چند بینم دلبر آشفته ترست ایں دل مرا — خواهم بیاشامم ترا کز آب حیواں خوشتری

گرچه جوانی خوش بود بے تو ندانی خوش بود — ور زندگانی خوش بود حقا که تو زاں خوشتری

بادی چه باشد دل بدیں کانجا کنی منزل گزیں — در چار سو جاں نشیں کز بوستاں خوشتری

نقش تو اے شمع چگل بیروں هم زیں آب و گل — لیکن توئی چوں گنج دل در کنج ویراں خوشتری

دارم ز تو دردے قوی خواهمش از سر نوی
زانکه که درد خسروی لیکن ز درماں خوشتری

انتخاب غزلیات

غرة الکمال

اے باد برقع برفکن از روے آں آشناک را — دستے وہ دیدہ گر صفر اکنم آبے بزن ایں خاک را

خسرو اگر ایں آتش بود کز سوز عشق از بس بود — یک ذرہ آتش بس بود صد خرمن خاشاک را

شگفت گل در بوستاں آں غنچۂ خنداں کجا ۔ شد وقتِ عیشِ دوستاں آں لالۂ بستاں کجا

ہر بار کو در خندہ شد چوں من ہزارش بندہ شد ۔ صد مردہ زاں لب زندہ شد وے مرا درماں کجا

مے گفت با من مردہاں گر جاں دہی یابی اماں ۔ من می کنم فرماں بجاں آں یارِ بے فرماں کجا

گفتم توئی ایں دم مرا تا ہست جانِ روشنم ۔ گفتی کہ آرے ایں منم گر ایں توئی ایں جاں کجا

برہم مزن اے پری حسنِ بلا انگیز را ۔ تا کساں صورت بشکنند ایں عقلِ رنگ آمیز را

دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا ۔ تنم از بیدلی بیچارہ شد بیچارہ تر بادا

صد ہزاراں آفریں جاں آفرینِ پاک را ۔ کافرید از آب و گل سروِ چو تو چالاک را

جاں فدائے دوستی کم زانِ زنِ ہندوئے ۔ کز وفائے شوئے در آتش بسوزد خویش را

خسروا گر انگبیں میخواہی از شکر لباں ۔ اول اندر کام شیریں کن زبانِ خویش را

ماہ رویا بہ خونِ من مشتاب ۔ کشتنِ عاشقاں کہ دید صواب

چہ ملامت کنید خسرو را ۔ فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

دلِ ما را ز دستِ غم اماں نیست ۔ نشانِ شادمانی در جہاں نیست

جہاں را آشنا و من بہ غم غرق ۔ مگر دریائے محنت را کراں نیست

اندراں معرض کہ خود سازندہ سوزد مردِ عشق ۔ اے صبا مردِ خدا گو کمتر از ہندو زنے ست

یار چوں با ماست بہر دیدنش تعجیل چیست ۔ یوسف اندر مصرِ دل در دیدہ رو در نیل چیست

چوں جمالت آیتِ رحمت شد اندر شانِ خلق ۔ آخر ایں چندیں بہرِ کشتنم تاویل چیست

ہیچ خسرو را نصیحت مے کنی از بہرِ عشق ۔ پند چوں مے نشنود بیہودہ قیل و قال چیست

گلستاں نیست خاکِ آستانت از رخِ خوباں ۔ کہ مرغِ آں گلستاں خسروِ سحر البیاں آمد

مبصراں کہ مزاجِ جہاں شناختہ اند ۔ دو روزہ برگِ اقامت درو نساختہ اند

سرے کہ زیرِ زمیں شد نہفتہ شاہاں را ۔ ہماں سر است کہ بر آسماں فراختہ اند

خسروا دل بد مکن از نامرادیہائے دہر ۔ کآسماں را ایں ہمہ بہ آدمِ ہشیار بود

وِ چشمت کہ تیرِ بلا مے زند ۔ چنیں تیر بر ما چرا مے زند
کماں جانبِ دیگرے مے کشد ۔ وے تیر بر جانِ ما مے زند
تو ہے غمزہ گر شوخے و چابکی ۔ کجا مے نشاید کجا مے زند
چو بوئے ترا در چمن مے برد ۔ نسیمِ بہار از صبا مے زند
کسیکہ یارِ وفادار مہرباں دارد ۔ سعادتِ ابد و عمرِ جاوداں دارد

خراشِ سینۂ مجروحِ بابتِ خونخوار مے گویم ۔ حسابِ خویشں نمیدانم کہ غم با یار میگویم
من ایں آہِ جگر سوز از دلِ پیماں شکن دارم ۔ چرا از دیگرے نالم کہ دردِ خویشتن دارم
بجائے محنتِ ایوب و اندوہِ دلِ یعقوب ۔ بلا و نیست و بیماری و تنہائی کہ من دارم
ز دنیا میرود خسرو بزیرِ لب ہمے گوید ۔ دلم بگرفت ازیں غربت تمنائے وطن دارم

اے آرزوِ امیدواراں ۔ وے مرہمِ دردِ دلِ فگاراں
از دشمنی آنچہ بود کردی ۔ اے دوست چنیں کنند یاراں
گر شرحِ دہم غمِ تو صد سال ۔ یک قصہ نگویم از ہزاراں

خواہی دلا فردوسِ جاں رخسارِ جانانہ ببیں ۔ وربایدت سروِ رواں آں میرِ خوبانہ ببیں
اے دل کہ ہستی بیقرار از بہرِ روئے آں نگار ۔ ایں جانت مے آید بکار آں شکلِ جانانہ ببیں
اے بت پرستِ ہندو چیں کرنا و بت بوسی ہمیں ۔ چندیں چہ گوئی بت چنیں آں یک مسلمانہ ببیں
گم کردہ جانا بردرت ہم جان و ہم دل چاکرت ۔ در گیسوِ عذر آورت ایں را بجو آں را ببیں
دارم ز تو داغِ کہن ور نیست باور ایں سخن ۔ بندازم و دل پارہ کن واں داغِ پنہانہ ببیں
روائے صبا و سلامم بدلنواز رساں ۔ نیاز بندہ بہ آں شوخِ عشوہ ساز رساں
سلامِ خدمتِ ما اے صبا بہ یار بگوئے ۔ فغان و زاریِ بلبل بہ نوبہار بگوئے
بیچارہ خسروِ خستہ را خونِ بختیت فرمودہ است ۔ خلقے بمنت یکطرف آں شوخِ تنہا یکطرف

قطعہ و رباعیات

مرد بخشنده کسے را گویند — که به درویش دهد پے در پے
هر که بخشد به توانگر درمے — خنده کن گرچه بود حاتم طے
ابر اگر بر سر دریا بارد — شاید ار برق بخندد بر وے

حاصل خود بخور و اندوهِ بیهوده مخور — باشد آنرا چه خوری حاصلِ دیگر باشد
وگر آنرا نخوری حاصلِ دیگر نشود — غم امروز همان روزت در خور باشد
ابلهی باشد با هستی ند غم خوردن — هم که او غم خورد و زر نخورد غم باشد

وله

روشندلانِ صاف درون را غلل بود — در کار خلق چشم کشادن بخیر و شر
پوشیده نیست نزد همه کس که طاس را — سوراخ عیب باشد و غربال را هنر

وله

تا کے اے بے همت از بهر دو فلس کرده یک — قبله سازی ده که مستی جاهلِ افسرده را
گر قبا ے کنی بارے منه سر بر زمیں — زانکه در دیں سجده نبود نمازِ مرده را

وله

بجاه فقر توانگر نماے همت باش — که گرچه هیچ نداری بزرگ دارندت
بدانکه در همه هستی شوی خسیس مزاج — که گرچه قاروں باشی گدا شمارندت

وله

از عزت محمد ار نه داری خبرے — لیکن از رهِ عقل در شهادت نظرے
الله و محمد ست پیوسته بهم — یعنے که میان شان نگنجد دگرے

وله

وصفِ شرفِ تو بیش ندارک آمد — سبق ادبت نعبد و ایاک آمد
توقیع تو کز صحیفه پاک آمد — لولاک لما خلقت الافلاک آمد

وله

احمد نامے که کانِ عالم زد بود — یک نوے قبالیش فلک نه تو بود
بسیار چکید قطره‌ها از آدم
آں قطره که بحر گشت آخر او بود

مختلف کلام

مختلف تاریخوں اور تذکروں سے امیر خسرو رح کا وہ چیدہ کلام جو غناء خسرو یا دیگر تصنیفات موجودہ میں نہیں ہے درج کیا جاتا ہے۔

در تعریف ماہ نو عید

برآمد ماہِ عید از اوجِ گردوں — طرب چوں ماہِ نو شد ہر دم افزوں

بلوحِ آسماں نونے است یا عین — کہ بیروں آمدست از کلکِ بیچوں

بگردش ہست چندیں نقطہ را جسم — اگر یک نقطہ باشد بر سرِ نوں

ببیں اندر رکوع آں پارۂ نور — ہلالش گوے خواہی خواہ ذوالنوں

ہمانا حلقۂ گوشِ سپہر است — کہ دارد از کواکب درِ مکنوں

سوادِ شام در پیشِ مہِ نو — مگر لیلیٰ ست در پہلوئے مجنوں

چنیں ماہِ نو و عیدِ خجستہ — مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں

غزل

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست — ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب — دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

ابرِ بلا با دیدۂ گریانِ من نسبت مکن — نسبت با اندکے دارد و لے خونبار نیست

شاد باش اے دل کہ فردا بر سرِ بازارِ عشق — مژدۂ قتل است گرچہ وعدۂ دیدار نیست

ما غریباں را تماشائے چمن درکار نیست — داغہائے سینۂ ما کمتر ز گلزار نیست

ناخدا در کشتئ ما گر نباشد گو مباش — ما خدا داریم ما را ناخدا درکار نیست

خلق مے گوید کہ خسرو بت پرستی مے کند — آرے آرے مے کنم با خلق عالم کار نیست

غزل

تو ئی در ملکِ جاں خسرو چہ خسرو خسروِ خوباں — بود تحمل قدرت فتنہ چہ فتنہ فتنۂ دوراں

جمالت مجمعے باشد چہ مجمع مجمعِ خوباں — چو خوبی خوبیٔ یوسف چہ یوسف یوسفِ کنعاں

دہانت غنچہ باشد چہ غنچہ غنچۂ دلکش — چہ دلکش دلکشِ خرم چہ خرم خرمِ خنداں

بہ سر زلفت یکے ہندو چہ ہندو ہندوئے کافر — چہ کافر کافرِ رہزن چہ رہزن رہزنِ ایماں

چو خسرو بندہ باشد چہ بندہ بندۂ عاشق — چہ عاشق عاشقِ بیدل چہ بیدل بیدلِ ہجراں

خسروا در عشقبازی کم ز ہندو زن مباش — کز برائے مردہ سوزد زندہ جانِ خویش را

بتم سلطانِ ملکِ حسن و ما در سلکِ درویشاں — دلا دامن فراہم کن کجا ما و کجا ایشاں

مثنوی

نشاید بادشہ را مست بودن — نہ در عشق و ہوس پیوست بودن

بود شہ پاسبانِ خلق پیوست — خطا باشد کہ باشد پاسباں مست

شہاں چوں شد خراب از بادۂ ناب — رمہ در معدۂ گرگاں کند خواب

در آئینے کہ رسمِ ملک داری ست
ثباتِ کارہا در ہوشیاری ست

متفرق رباعیات

رفتم سوئے خطیرہ و بگریستم بزار — از ہجرِ دوستاں کہ اسیرِ فنا شدند

ایشاں کجا شدند چو گفتم خطیرہ است — واداز صدا جواب کہ ایشاں کجا شدند

اقبال را بقا نبود دل درو مبند — عمرے کہ بر غرور گذاری ہبا بود

گر نیست باورت ز من این نکتۂ شریف　　اقبال را چو قلب کنی لابقا بود

خسرو چہ حالتست کہ در دہر عالماں　　از جاہلان دون دنی باز پس ترند

این نکتہ را ببین و بانصاف خوش سرائے　　کز چار حرف نظرہ و دریا برابر اند

از شعلۂ عشق ہر کہ افروختہ نیست　　با او سر سوزنی دلم دوختہ نیست

گر سوختہ دل نہ ز ما دور کہ ما　　آتش بہ دلے زنیم کو سوختہ نیست

ہندی کلام

امیر خسرو رح کا ہندی کلام بھی بہت تھا جو اب نہیں ملتا۔ ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں کی حالت اس زمانہ میں بالکل ایسی ہوگی جیسی آج انگریزوں کی ہے۔ آج انگریز اور انگریزی تعلیم یافتہ اُردو اور دیگر ملکی زبانوں اور اُنکی تصنیف و تالیف کو نہایت بے قدری اور نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور ان میں تصنیف و تالیف اور کمال پیدا کرنے کو کوئی کمال نہیں سمجھتے اسی طرح اس زمانہ میں مسلمانوں کا حال ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ہندی کلام کی ترتیب و تدوین کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ صرف چند گیت اور پہیلیاں اور مکرنیاں اور انمل دوہرے وغیرہ اور ایک غزل اور خالق باری کا اختصار آج تک مشہور چلا آتا ہے جن کا بیان باب پنجم میں ہو چکا ہے۔

شعرائے عہد

امیر حسن علاء سنجری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

نجم الدین نام حسن تخلص سادات عظام دہلی سے تھے۔ باپ کا نام علاؤ الدین سیستانی تھا۔ حضرت امیر خسرو رح اور یہ دونوں میدان سخنوری میں توام اور مصداق۔ ان ھذان لساحرون کے ہیں۔ آپ حسن وجمال میں شہرۂ آفاق تھے۔ ابتدائے حال میں روٹی کی دکان کرتے تھے۔ جب امیر خسرو رح اور ان سے محبت پیدا ہوئی اس وقت سے علوم وکمال کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور بہت تھوڑی مدت میں قابلیت علمی کے علاوہ اخلاق وعادات اوضاع واطوار اور دیگر اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے موصوف ہوئے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے محمد تغلق کے عہد تک ہر بادشاہ کی ملازمت اور مصاحبت میں رہے اور ہر بادشاہ نے ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اعزاز واکرام سے رکھا۔

ملا قاسم فرشتہ تاریخ فرشتہ میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ رح حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے واسطے پرانی دہلی کو تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت خواجہ رح کی زیارت سے فارغ ہوکر تالاب شمسی کے کنارے رونق افروز ہوئے اس مقام پر امیر حسن شاعر جنکا

سن اس وقت پچاس برس سے زیادہ تھا اور جو ابتدائے حال میں حضرت سلطان المشائخ رح سے رابطۂ اتحاد اور مصاحبت کلی رکھتے تھے مع ایک جماعت یاروں کے مے نوشی میں مشغول تھے۔ جب حضرت کو دیکھا۔ آپ کے روبرو آتے اور یہ بیتیں پڑھیں ؎

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم	گر ز صحبتہا اثر بودے کجاست
زہد تاں فسق از دل ما کم نہ کرد	فسق ما ہاں بہتر از زہد شماست

حضرت سلطان المشائخ رح نے ان بیتوں کو سنکر ارشاد فرمایا کہ صحبت ما اثرہا است انشاء اللہ روزے بو۔ یہ جواب جادو کی طرح ان کے دل پر اثر کر گیا فوراً سر برہنہ کر کے حضرت سلطان المشائخ رح کے قدموں پر رکھ دیا۔ وہ جمیع مناہی سے تائب ہو کر مع اپنے رفقا کے مشرف بہ بیعت ہوئے اور ایسا مرتبہ پایا کہ مقبولان اور محبوبان حضرت سلطان المشائخ رح سے ہو کر زمرۂ اولیاء اللہ میں شامل ہوئے۔ تائب ہونے کے بعد آپ نے ایک غزل میں یہ بیت موزوں کی تھی۔ اور اس کو اکثر پڑھا کرتے تھے۔

اے حسن توبہ انگہے کردی کہ ترا طاقتِ گناہ نماند

مولانا جامی رح نفحات الانس میں اور مولانا ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکارم اخلاق اور محامد اوصاف اور لطافت وظرافت اور قناعت اور عقل وفہم اور روش صوفیہ اور پاکیزہ اعتقادی اور شگفتہ روئی اور تہذیب میں مثل امیر حسن رح کے بہت کم دیکھا اور سنا گیا ہے۔

ان کی تصنیف وتالیف کی نسبت مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ علاوہ دیوان اور مثنویات کے نظم ونثر میں ان کی بہت سی تصنیفات ہیں اور چونکہ وہ نہایت روانی سے وجدانی غزلیں موزوں کرتے تھے اس وجہ

سے خاص و عام اُن کو سعدیِ ہندوستان کہتے تھے۔

مولانا جامی رح بہارستان میں فرماتے ہیں کہ غزل میں اُن کا رنگ خاص ہے۔ اُنہوں نے ایسے تنگ قافئے اور عجیب و غریب ردیفیں اور خوش رنگ بحریں اختیار کی ہیں کہ اُن کے اشعار بادی النظر میں آسان معلوم ہوتے ہیں لیکن کہنے میں بہت دشوار ہیں اور اسی وجہ سے سہلِ ممتنع کے نام سے مشہور ہیں۔

امیر حسن رح تمام عمر مجبور رہے اور جس زمانے میں کہ محمد شاہ تغلق نے دہلی کے بجائے دولت آباد بسانا شروع کیا۔ یہ بھی مشائخ دکن کی زیارت کی آرزو میں دولت آباد تشریف لے گئے اور اسی جگہ ۲۹- صفر ۷۳۶ھ کو وفات پائی۔ اور بالا گھاٹ پر مدفون ہوئے[۱]

مخدوم آویلیا نے یہ قطعہ تاریخ وفات میں لکھا ہے۔ مادہ تاریخ میں ایک عدد کی بیشی ہے ؎

چو خواجہ امیر حسن دہلوی آہ	بروہ بعالم شدہ شور برپا
سنش عاشقے از سر آرزوے	بگفتہ حسن یافت نزد نبی جا

صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں۔ کہ قبر اُن کی دولت آباد میں مشہور ہے اور لوگ بطور تبرک اُس کی زیارت کیا کرتے ہیں۔ اب تک یہ ہی حال ہے۔ اور دور دور سے لوگ مزار پر حاضر ہوتے ہیں اور اپنے بچوں کی ترقی ذہن کے واسطے شکر مزار پر ڈال کر کھلاتے ہیں۔

---

[۱] امیر حسن دہلوی رح کی درگاہ خلد آباد کی آبادی کے قریب واقع ہے جو دولت آباد سے دو تین کوس پر ہے احاطہ درگاہ میں میر غلام علی آزاد بلگرامی کا بھی مزار ہے۔

شہنشاہ اکبر کے عہد میں ملک الشعرا فیضی دکن تشریف لے گئے تھے انہوں نے خاندیس سے بادشاہ کے نام ایک طول طویل عرضداشت بھیجی تھی اس میں لکھتے ہیں۔ تربتِ میر حسن دہلوی در دولت آباد است غالباً ہمراہ سلطان علاء الدین آمدہ اینجا عمر مستعار باخر رسانید بخاطر رسید کہ دیوانِ او کشودہ یک غزل تبرکاً و تیمناً تتبع نمودہ شود اتفاقاً ایں غزل آمد ؎

بازِ نوائے بلبلاں عشقِ تو یاد مے دہد
ہر کہ بہ عشق نیست خوش عمر بباد میدہد

فیضی نے اِس غزل کے تتبع میں جو غزل اس موقع پر لکھی تھی اُس کا مطلع اور مقطع یہ ہے۔ ؎

صبح کہ ترکِ مستِ من شیشہ کشاد میدہد	عقل بخاک میدہد ہر بباد مے دہد
فیضی نامرادِ من از غمِ سیم و ہر غمم مخور	زانکہ مرادِ اہلِ دل شاہ مراد مے دہد

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس فاضل باکمال کی تصنیف و تالیف سے اب سوائے فوائد الفواد کے اور کوئی یادگار باقی نہیں۔ اُن کا دیوان بھی نہیں چھپا۔ نہ عام طور سے دستیاب ہوتا ہے۔ تذکروں اور تاریخوں میں بھی اُن کی غزلیں اور اشعار بہت کم پائے جاتے ہیں۔ فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ رح کے ملفوظات ہیں۔ ماہ شعبان ۷۰۷ھ سے ۱۱ شعبان ۷۲۲ھ تک کے جمع کئے ہیں۔ اِس کتاب کا اُردو میں ترجمہ ہو گیا ہے۔

صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ امیر خسرو رح فرمایا کرتے تھے کہ کاش فوائد الفواد میری طرف منسوب ہوتی اور میری تمام تصانیف امیر حسن رح کے نام ہوتیں۔

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ امیر حسن شعر میں امیر خسرو رح کا تتبع کرتے تھے اور اُن کا کلام بہت شیریں ہے اور اس زمانہ (۸۹۵ھ) میں اُن کا دیوان عزیز و مکرم ہے۔ امیر حسن رح خود فرماتے ہیں۔ ؎

حسن گلے زگلستانِ سعدی آوردہ است　　کہ اہل معنی گل چین آں گلستانند

اپنے اور امیر خسرو رح کے کلام کی نسبت فرماتے ہیں **قطعہ**

خسروا از راہ کرم بپذیرد	آنچہ من بندہ حسن مے گویم
سخنم چوں سخنِ خسرو نیست	سخن این ست کہ من مے گویم

حضرت سلطان المشائخ رح نے ان کے اور امیر خسرو رح کے کلام کی نسبت یہ فقرہ فرمایا تھا " کلامِ خسرو دریائے شور است و کلامِ حسن جوئے شیریں"۔ مختلف تذکروں سے امیر حسن رح کا تھوڑا سا کلام انتخاب کر کے درج کیا جاتا ہے۔

غزل

ساقیا مے دہ کہ ابرے خاست از ساغر سفید	سرورا سر سبز شد صد برگ را چادر سفید
بادہ در جامِ بلوریں دہ مرا گر مے دہی	خوب مے آید شرابِ لعل را ساغر سفید
ابر چوں چشمِ زلیخا بہر یوسف ژالہ بار	ژالہا چوں دیدۂ یعقوب پیغمبر سفید
عنکبوتے غار را گفتم کہ ایں پردہ چہ بود	گفت مہمانِ عزیز آمد کہ کردم در سفید
اے حسن اغیار را ہرگز نباشد طبع راست	راست است این زاغ را ہرگز نباشد پر سفید

غزل

نیست چو رویت بہ گلستاں دگر	روے دگر باشد و بستاں دگر
یار چہ سخت ست دلِ کافرت	سخت دگر باشد و سنداں دگر
از تفِ عشقت جگرم پختہ شد	پختہ دگر باشد و بریاں دگر
غمزۂ خونخوار تو خوشم بر سخت	غمزہ دگر باشد و پیکاں دگر
گفت اگر عاشق ما ئی بمیر	عشق دگر باشد و قرباں دگر

چشمِ حسن بین وور و موج حسن زن
موج وگر باشد و طوفان وگر

کارے کہ بود با تو مرا بیشتر نہ رفت — سر رفت در ہوائے تو ایں در دسر نہ رفت

مرا از زلف او موے پسند است — فضولی میکنم بوے پسند است
چہ شکرے کشی بر قلبِ عشاق — صفِ مغلوب را ہوئے پسند است

کشتم ز فرق تا بقدم حلقہ در رکاب — آں شہسوار بین قدم از من دریغ داشت
رسوا روند از سرِ کوئے تو زاہداں — وله — بر سر سبوئے بادہ بجائے عمامہا
تو آفتابئے من عجب ایں دانست — وله — کہ بے تو من نتوانم نفس برآوردن
از خویش بروں رو۔ ز در دوست دروں آئے — وله — تا گم نشوی گم شدہ خویش نیابی
من بودم و کنجے و حسرت و سرودے — وله — غم را کہ نشاں داد بلا را کہ خبر کرد
مشکل سرو کاریست کہ بر وعدۂ معشوق — وله — صابر نتواں بود و تقاضا نتواں کرد
حسن دعاے تو گر نیست مستجاب مرنج — وله — ترا زبان دگر و دل دگر دعا چہ کند
چرخ را در اصل چوں خلقت کج است — وله — دور کج را فعل کج آید تراست
مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد — وله — دست بر پاے کبوتر زد و ناگہ برسید
نیم رفتم بلا شد بوئے زلفش — وله — خرابا ندر پئے آں بوئے رفتیم
عطار گو بہ بند دوکاں را کہ من ز دوست — وله — بوئے کشیدہ ام کہ بمشک و عبیر نیست

زہے ترکے کہ از چشمانِ ابرو — وله — کماں پیدا کند پنہاں زند تیر
بگوشش مدعی کے جاے گیرد — مزامیرے کہ ہست اندر مزامیر

رباعی

دارم دلکے غمگیں بیامرزو مپرس — صد واقعہ در کمیں بیامرزو مپرس

شرمندہ شوم اگر بپرسی ز علم	اے اکرم الاکرمی بیامرز و مپرس

دیگر

یک حرف تو چل مباح عالم را نور	یک حرف تو ہشت خلد را مایۂ حور
حرف سیمیں چل دلے را دستور	زان چار چہار رکن عالم معمور

ملک سعدالدین منطقی

یہ سلطان جلال الدین خلجی کے مصاحبوں میں تھا۔ ابتدا ے حال میں قلندری میں بسر کرتا تھا۔ بادشاہ نے جامۂ قلندری سے نکال کر امیر کبیر بنا دیا۔ یہ اور عبید شاعر اُن لوگوں میں تھے کہ حسد کی آگ میں جل کر چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنے کلام کو امیر خسرو رح کے کلام پر ترجیح دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ باوجود تلاش ان کا کوئی کلام دست یاب نہیں ہوا۔

عبید

غیاث الدین تغلق کے عہد میں ایران سے ہندوستان میں وارد ہوا۔ شاہزادہ الغ خاں (محمد تغلق) کی ملازمت میں نہایت اعزاز و اکرام سے بسر کرتا تھا۔ لیکن نہایت بلند نظر۔ مغرور۔ بد دماغ اور بدنیت تھا۔ اکثر علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ لیکن طبیعت بیہودہ گوئی پر بہت راغب تھی۔ اپنے آپ کو امیر خسرو رح کا مد مقابل سمجھتا تھا۔ آپ کی نسبت اس کا یہ شعر مشہور ہے ؎

خلط افتاد خسرو راز خامی　　کہ سکبا پخت در دیگ نظامی

۱۲۱ھ / ۱۳۲۱ء میں جبکہ شاہزادہ الغ خاں قلعہ ارنگل کا محاصرہ کر رہا تھا کسی وجہ سے دلی

کی ڈاک آنے میں دیر ہوئی۔ عبید نے مفسدہ پردازی کی وجہ سے یہ خبر لشکر میں اُڑا دی کہ بادشاہ (غیاث الدین) کا انتقال ہوگیا۔ اس خبر سے تمام لشکر میں کھلبلی پڑ گئی اور عبید مع چند دیگر سرداروں کے لشکر سے بھاگ گیا لیکن شاہزادے نے بہت جلد گرفتار کرا کر دہلی بھیج دیا۔ جہاں بادشاہ نے اُس کو قتل کرا دیا۔

عبید کے کلام سے یہ رباعی اور غزل مشہور ہے۔

رباعی

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم ۔ کاندر طلب راتبہ ہر روز بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز ۔ تا داد خود از کہتر و مہتر بستانی

رسد بہ چشمِ رویت جمال مہ بہ کمال ۔ برد ز نکہتِ رویت صبا عبیر شمال
زند بہ تیرِ نظر غمزہ ات نشانہ مہر ۔ کشد بہ گوشہ چشم ابروت کمان ہلال
توئی کہ آب حیات از لبت بود سائل ۔ خوشا کسے کہ کند با لبت جواب و سوال

حرام گشتہ بغیر از عبید در عشقت
بشاعرانِ تخیل نمائے سحر حلال

قاضی مغیث ہانسوی

سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں ایک بڑا عالم فاضل تھا۔ اُس نے ایک غزل لکھی تھی جو اُنیس[۱۹] بحروں میں پڑھی جاتی تھی۔ اُس غزل کا مطلع یہ ہے

دو دُر گوش دو قد خوش دو خد خوب و خط تر ۔ فرقہ فری پری ورے و با کر و فر

ان کے علاوہ امیر خسرو رح کے ہمعصر اور بھی بہت سے شاعر مثل تاج الدین عراقی اور مؤید جرجامی اور مؤید دیوانہ اور امیر ارسلان کلامی اور اختیار الدین باغی گذرے ہیں لیکن جس طرح کہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں چراغ کی روشنی کو فروغ نہیں ہوا اور نہ آج اُن کا کلام ملتا ہے۔ اکثر مؤرخین نے تو صرف یہ

ھ کر ٹال دیا ہے کہ امیر خسرو رح اور امیر حسن رح کے علاوہ اور بھی شاعر اس وقت میں صاحبِ دیوان تھے مگر ان کے حال لکھنے کے بعد ان کا ذکر کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

خاتمۂ کتاب

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما	(حافظ)	

اے شناورِ دریائے حقیقت و توحید و اے بلبلِ گلستانِ چشت و اے طوطیِ بوستانِ نظامیہ۔ مجھے اوائلِ عمر سے آپ کے ساتھ جو محبت اور اعتقاد ہے اس کے لحاظ سے میں نے اپنی بساط کے موافق فارسی اُردو انگریزی کے بیش بہا اور لازوال خزانوں سے آپ کے کمالات کے خوشنما گوہروں کو چن چن کر اِن اوراقِ پریشاں میں جمع کیا ہے۔ مگر میری بے بضاعتی اور کم علمی کی وجہ سے آپ کے اوصاف و کمالات کا سچا اور خوشنما فوٹو مجھ سے نہ کھینچ سکا۔

اے جامعِ علومِ ظاہری و باطنی، و منبعِ کمالاتِ صوری و معنوی!

آپ کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کی تعریف مجھ جاہلِ محض کے بیان کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کے اخلاق اور اوصاف کی مجسم یادگاریں اور تحریری دستاویزیں خود آپ کی تصنیفیں تالیفیں صفحۂ روزگار پر موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہینگی۔

اے نخلبندِ بوستانِ سخن آرائی!

آپ کا نامِ نامی میری خرفت سے شہرت کا محتاج نہیں ہے بلکہ خود آپ کے مضامینِ سحر آمیز کے خوشنما پھول اس گلشنِ دہر میں اپنے قدرتی اور لازوال

جو بن کی بہار دکھا دکھا کر آپ کے نام نامی اور اسمِ گرامی کی شہرت اور عزت کا باعث ہیں۔

اے صدر آرائے مجالسِ فصحا!

آپ کی نیک زندگی کے حالات لکھنے میں میری مثال مانند اس بڑھیا کے ہے جو محض اپنے جوشِ عقیدت سے ایک پنڈیا سوت کی لے کر بازارِ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں شامل ہوئی تھی۔ پس میں نہایت صدقِ دل اور عاجزی سے آپ کی روح سے اپنی ناکامی اور درماندگی کی معافی چاہتا ہوں۔

اور

بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دعا ہوں

کہ

آپ کے نام اور کلام کی برکت سے ان پراگندہ اوراق کو قبولیت عام کا اعزاز اور مجھ عاجز گنہ گار کے نام کو آپ کے نامِ نامی کے طفیل میں بقائے دوام کا افتخار حاصل ہو اور انجام بخیر ہو۔

آمین یارب العالمین
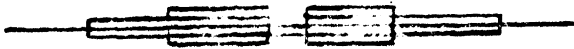
ضمیمہ

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ العزیز

تمہید

اللہ تعالیٰ جل شانہ اور انبیائے عظام علیہم السلام کے ذکر کے بعد کوئی ذکر اولیائے کرام اور صوفیان عظام کے ذکر سے بہتر نہیں ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ عند الذکر الصالحین تنزل الرحمۃ یعنے اللہ تعالےٰ کی رحمت صالحین کے ذکر کے وقت نازل ہوتی ہے۔ مولانا سید عبدالواحد بلگرامی رح فرماتے ہیں ؎

اے دل از اخلاق مرداں بہرہ مند آرستی	بارے اخلاق بزرگاں راز جاں تکرار کن
عند ذکر الصالحین الحق نزول رحمت ست	ہر زماں ذکر جوانمرداں دریں لب یار کن
گر بدل بر جو بئے احوال شاں مشتاق باش	گر ز چشم از پاکی اخلاق اشک ایثار کن

حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے اولیاء خدا کی باتیں یاد رکھو اور جو یہ بھی نہ ہو سکے تو اُن کے اسمائے گرامی ہی یاد رکھو کہ یہی کافی ہیں۔

خود حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے امیر خسرو رح ملفوظات مشائخ کو یاد کرو اور اُن کا ذکر کیا کرو کہ اُن سے دل کو کیفیت پیدا ہوتی ہے

اگرچہ ہماری زبان اُردو میں حضرت سلطان المشائخ رح کی متعدد سوانح عمریاں اور ملفوظات شائع ہو چکے ہیں لیکن محض اِس سعادت ابدی اور دولتِ سرمدی کے حصول کی خواہش میں حضرت کا مختصر ذکر خیر اِن پراگندہ اوراق میں تیمناً و تبرکاً تحریر کیا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ یہ چشمۂ خیر اِس ناچیز کتاب کے واسطے آبِ حیات کا باعث ہو اور اِسے مقبولیت عام اور بقائے دوام کا مرتبہ حاصل ہو اور یہی ذکرِ خیر قیامت کے دن اِس عاجز گنہگار بندۂ شرمسار کی بخشش کا وسیلہ ہو۔ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

"شنیدم کہ در روزِ امید و بیم بداں را بنیکاں بہ بخشد کریم"

دعا

یارب اندر معصیت دارم بہ اہل اللہ صفا	اے صفا را چارۂ عفوِ من بدکار کن
ہر ورِ مرداں کہ لاخوفٌ ولاہم یحزنون	بندۂ مملوک آزاد از عذاب نار کن
کسوتِ اہلِ ازمنِ نااہل لبیس ست اگر	ہم تو بر ستہر شئے موسیٰ ہمیبر کار کن

بندۂ گنہگار عاجز و شرمسار

(مولانا سید عبدالواحد)

سعید مارہری

حضرت سلطان المشائخ رح کا ذکر خیر

حضرت کا اسم مبارک نظام الدین محمد اور آپ کے والد ماجد کا نام خواجہ سید احمد ہے آپ سادات عظام حسینی سے ہیں۔ نسب شریف آپ کا بعض کتب سیر میں اٹھارہ واسطہ سے اور بعض میں سولہ واسطہ سے حضرت شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ سے اس طرح ملتا ہے۔

حضرت سید[1] احمد بن حضرت خواجہ سید[2] علی الحسینی البخاری بن سید عبداللہ[3] بن سید[4] حسن بن سید[5] میر علی بن سید[6] میر احمد بن سید[7] میر ابی عبداللہ بن سید[8] میر علی اصغر بن سید[9] جعفر بن سید[10] علی امام بن سید علی[11] الہادی النقی بن سید[12] امام محمد بن الجواد بن امام الاتقیا حضرت امام علی[13] موسے رضا بن امام[14] علی موسے کاظم الغیظ بن الامام الہمام حضرت[15] جعفر صادق بن الامام محمد[16] الباقر بن الامام علی حضرت زین[17] العابدین بن الامام فی الارض والسماء سلطان الشہداء جناب[18] حضرت امام حسین الشہید رضی اللہ عنہ ابن امام الاولیاء حضرت علی مرتضےٰ علیہم السلام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں آپ کے جد امجد حضرت خواجہ علی بخاری رح اور جد مادری حضرت خواجہ سید عرب رح نے بخارا یا غزنی سے ہندوستان میں تشریف لاکر پہلے لاہور میں قیام کیا اس کے بعد بدایوں تشریف لائے اور وہیں سکونت اختیار کی اور دونوں بزرگوں میں آپس میں قرابت پیدا ہوئی۔ یعنی خواجہ عرب رح نے اپنی دختر نیک اختر رابعۂ عصر بی بی زلیخا کی شادی خواجہ سید احمد رح خلف خواجہ علی رح کے ساتھ کی۔ خواجہ احمد رح نہایت صالح متقی اور صاحب فضل و کمال تھے ان کا مزار بدایوں میں ہے۔

سنہ ۶۳۴ھ میں بروز آخری چہار شنبہ ۲۷۔ صفر کو بعد از طلوع آفتاب بطن

حضرت بی بی زلیخا سے حضرت سلطان المشائخ رح پیدا ہوئے۔ مولانا جمالی صاحب سیر العارفین کیا خوب فرماتے ہیں ؎

آفریں از خدائے بر پدرے	کہ از و ماند ایں چنیں پسرے
پدرے راکہ آنچناں خلف است	مادرے راکہ ایں چنیں پسرے
ہمتابش برآستین قباست	ماہتابش برآستان درست

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی زلیخا کاملۂ روزگار اور رابعہ عصر تھیں۔ اخبار الاخیار اور فوائد الفواد میں خود حضرت سلطان المشائخ رح سے منقول ہے۔ کہ والدہ مارا باخدائے آشنائی بودے یعنے اُن کو اللہ تعالےٰ سے دوستی تھی آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میری والدہ ماجدہ کو کوئی حاجت پیش آتی تو پانچ سو بار درود شریف پڑھتیں اور دامن مبارک اپنا پھیلاکر دعا مانگتیں وہ دعا مقبول ہوتی تھی۔ جس دن گھر میں غلہ موجود نہ ہوتا تھا تو جب میں گھر میں جاتا مجھ سے فرماتیں۔ نظام الدین امروز ما مہمانِ خدائیم۔ مجھ کو یہ سخن بہت پیارا معلوم ہوتا تھا ایک روز میں اسی سخن کے ذوق میں تھا کہ اتفاقاً ایک مرد ایک تنکہ کا غلہ لاکر میرے گھر میں دے گیا۔ چند روز متواتر اُس سے روٹی پکاکر گذر کی میں تنگ آگیا کہ اب میری والدہ یہ لفظ فرمائیں گی کہ ما مہمان خدائیم جب وہ غلہ تمام ہوا اور میری والدہ نے فرمایا کہ ما مہمان خدائیم اُس وقت جو ذوق اور راحت مجھ کو پیدا ہوئی وہ بیان نہیں ہو سکتی۔

جب حضرت سلطان المشائخ رح کی عمر پانچ برس کی ہوئی آپ کے والد ماجد نے اِس دار فانی سے انتقال فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ متکفل آپ کی پرورش اور تربیت کی ہوئیں اور مکتب میں برائے تعلیم قرآن مجید و فرقان حمید بھیجنا شروع کیا۔ اوّل آپ نے خواجہ شادی مقری بدایونی سے ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھا اسکے

بعد مولانا سید علاؤالدین اصولی اور مولانا کمال الدین سے علم ظاہری حاصل کیا۔
ایک روز آپ کی والدہ ماجدہ نے علماء اور مشائخ شہر کی دعوت فرمائی اور جلسہ دستار بندی فضیلت منعقد فرمایا۔ ایک پگڑی اپنے دست مبارک سے سوت کات کر آپ کی والدہ نے بنوائی تھی وہ پگڑی ایک صاحب کمال درویش علی مولا نامی نے حضرت سلطان المشائخ کے سر پر باندھی۔ حضرت نے اپنا سر مبارک علی مولا کے قدموں پر رکھا۔ انھوں نے دعا دی کہ اللہ تجھ کو علمائے دین سے کرے۔
بیس یا پچیس برس کی عمر میں آپ مع اپنی والدہ ماجدہ کے دہلی تشریف لائے اور ہلال خشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں سکونت اختیار کی۔
اس وقت دہلی میں ایک فاضل متبحر خواجہ شمس الدین خوارزمی تھے ان کے حلقۂ درس میں آپ نے شامل ہو کر مقامات حریری کے چالیس مقامے پڑھے اور علم حدیث کی سند حاصل کی۔
صاحب تاریخ فرشتہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے اور ہمیشہ آپ کا دل انوار منزل کتب معتبرہ تصوف مثل فصوص الحکم اور مواقع النجوم اور ان کی شرحوں کے مطالعہ کی طرف مائل تھا۔ فقہ حنفی اور تفسیر و حدیث اور اصول و کلام میں آپ مہارت تمام رکھتے تھے۔
منقول ہے کہ جس زمانے میں کہ عمر شریف آپ کی بارہ برس کی تھی اور آپ بدایوں میں کتب لغت پڑھتے تھے ایک قوال ابوبکر نامی ملتان سے آپ کے استاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کرنا شروع کیا کہ میں نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کی مجلس میں راگ گایا اور یہ شعر پڑھا ؎

قد لسعت حیۃ الھوی کبدی

(ہر آئینہ ڈسا ہے مار عشق نے میرے جگر کو) مصرع دوم اس کو اسوقت یاد
نہ آیا جس کو آپ نے یاد دلایا وہ یہ حال دیکھ کر آپ کی جانب مخاطب ہوا اور آپ
سے اپنے سفر اور خانقاہ شیخ بہاء الدین زکریا رح کے حالات بیان کرنا شروع
کئے اور کہا کہ خانقاہ شیخ موصوف میں ہر شخص ذاکر ہے حتیٰ کہ لونڈیاں جو آٹا
گوندھتی ہیں اپنے کام میں بھی ذکر اور شغل سے فارغ اور خالی نہیں رہتیں۔
میں ایک عرصے تک وہاں رہا۔ بعدہٗ روانہ ہو کر پاک پٹن میں آیا اور وہاں زیارت
شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہٗ سے مشرف ہوا۔ آپ اس قدر باعظمت
و رہیبت ہیں کہ حال شریف آپ کا اور درویشان خانقاہ کا میں بیان نہیں کر
سکتا۔ آپ کی ذات ایک عجب دریائے فیض ہے کہ آنے والا کیسا ہی بدبخت
ہو خانقاہ مبارک سے محروم نہیں جاتا۔ بمجرد استماع ان حالات کے حضرت
سلطان المشائخ رح کو عشق غائبانہ حضرت بابا خواجہ فرید الدین شکر گنج رح کا پیدا
ہو گیا اور اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے آپ ہی کا خیال دل میں رہنے لگا۔ جب
آپ بدایوں سے دہلی تشریف لائے۔ اتفاق سے آپ جس حجرے میں مقیم تھے
اسی کے قریب حضرت شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ کا جو چھوٹے بھائی بابا
فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے تھے مکان تھا۔ وہ نہایت درجے کے صاحب باطن
اور عالم صوری و معنوی تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رح بحسن عقیدت اکثر
آپ کی خدمت میں نشست و برخاست رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ فیما بین بہت
محبت اور اتحاد بڑھ گیا۔ ایک دن آپ نے ان سے فرمایا کہ آپ میرے واسطے
دعا فرمائیں کہ میں کسی جگہ کا قاضی ہو جاؤں تاکہ خلق خدا کے مقدمات ومعاملات
کو انصاف سے فیصل کیا کروں۔ یہ سنکر حضرت نجیب الدین رح ساکت ہوئے
اور کچھ جواب نہ دیا۔ آپ یہ سمجھے کہ شیخ نجیب الدین رح نے نہیں سنا۔ پھر آواز

بلند کہا التماس فاتحہ کی رکھتا ہوں۔ اس مرتبہ شیخ نجیب الدین متوکل رح نے
فرمایا کہ انشاءاللہ تعالےٰ تو قاضی نہ ہوگا لیکن وہ ہوگا جو میں جانتا ہوں۔ اسکے
بعد ایک شب کو جبکہ آپ جامع مسجد دہلی میں تھے صبح کی نماز کے وقت آپ
نے سُنا کہ موذن نے منارے پر یہ پڑھا۔ اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ
قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (کیا وقت نہیں پہنچا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں اُنکے
دل اللہ کی یاد سے) یہ سنتے ہی آپ کا حال متغیر ہوا اور نور الہٰی نے آپ کو گھیر
لیا۔ چونکہ اُس زمانے میں خواجہ فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی مشیخت اور کرامت
کا شہرہ عالمگیر ہو رہا تھا۔ اور پہلے ہی سے حضرت کے غائبانہ عشق میں آپ مبتلا تھے
صبح ہوتے ہی بغیر سواری اور زادِراہ کے انتظام کے آپ پاک پٹن کی طرف روانہ
ہوئے۔ راحت[1] القلوب میں آپ خود تحریر فرماتے ہیں۔ کہ بتاریخ ۱۰۔ ماہ رجب المرجب
۶۵۵ھ ہجری بروز چہارشنبہ مجھے سعادت قدمبوسی حضرت سید العابدین سند العارفین
کی حاصل ہوئی آپ نے نہایت مہربانی اور شفقت فرمائی اور خرقہ اور نعلین
چوبی (کھڑاویں) مرحمت فرمائیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ ولایت ہند کسی
دوسرے شخص کو تفویض کرنے کا تھا مگر تم راستے میں تھے کہ مجھے بر الہام ربانی ہوا
کہ یہ نظام الدین کا حق ہے جب وہ حاضر ہو تم سے عنایت کرنا چاہیئے۔ میں یہ سُنکر
قدمبوس ہوا اور اس شوقِ ملازمت کا حال بیان کرنا چاہا جو مجھے واسطے حضوری کے
تھا الّا زبان نے یاری نہ دی اور دہشت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی غالب آئی۔
آپ نے روشنضمیری سے واسطے رفع ہیبت کے فرمایا کہ جانے دہشت اور مقام

---

[1] راحت القلوب۔ اس کتاب میں حضرت سلطان المشائخ رح نے ملفوظات اپنے پیر بابا فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے جمع فرمائے ہیں ۱۲

خوف نہیں ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس روز حضرت سلطان المشائخ رح شرف بیعت سے مشرف ہوئے آپ نے خدمت مرشد میں عرض کی کہ اگر حکم صادر ہو تو میں ترک تعلیم کرکے اوراد و نوافل میں مصروف ہوں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم و تعلم سے منع نہیں کرتا یہ بھی کرو اور وہ بھی کرو۔ غالب اپنے مغلوب کو آپ ترک کرا دے گا۔ درویش کو کسیقدر علم ضرور ہونا چاہئے۔ اسکے بعد آپ خانقاہ مبارک میں مصروف عبادت ہوئے اور طریقہ مجاہدہ اور ریاضت کا اختیار کیا۔ آٹھ ماہ کے بعد ۲۔ ربیع الاول ۶۵۹ھ کو حضرت بابا فریدالدین شکرگنج رح نے دستار مبارک حضرت خواجہ قطب الدین اوشی بختیار کاکی رح کی اپنے سر پر سے اتار کر حضرت سلطان المشائخ رح کے سر پر رکھ دی اور عصا مرحمت فرماکر خرقہ خواجگان چشت رحمۃ اللہ علیہم جو سلسلہ بسلسلہ چلا آتا تھا اپنے دست مبارک سے حضرت سلطان المشائخ رح کو پہنایا اور فرمایا کہ نماز دوگانہ شکرانہ ادا کرو۔ اس کے بعد سند خلافت حضرت شیخ بدرالدین اسحٰق رح سے لکھوا کر اپنے دست مبارک سے عطا فرمائی اور بغلگیر ہوکر ارشاد فرمایا کہ جاؤ خدا کو سونپا۔ حضرت سلطان المشائخ حسب الحکم مرشد کامل کے پاک پٹن سے دہلی تشریف لائے اور حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رح سے سب حالات وہاں کے بیان فرمائے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔

اس کے بعد آپ آبادی سے دور ایک غیر معروف جگہ غیاث پور میں سکونت پذیر ہوکر یاد الٰہی میں مشغول ہوئے۔ جب ۶۸۵ھ ہجری میں سلطان معزالدین کیقباد نے موضع کیلوگڑھی میں جو نزدیک موضع غیاث پور کے تھا قصر شاہی اور قلعہ تعمیر کراکر شہر آباد کیا اور جامع مسجد بنائی اس وقت سے ایک انبوہ کثیر آپکے

پاس آنے جانے لگا۔ خود آپ سے منقول ہے کہ جب خلق کا مجھپر ہجوم ہوا اور آمدرفت امرا اور ملوک بہ کثرت ہونے لگی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس جگہ سے چلا جانا مناسب ہے۔ اسی اندیشے میں تھا کہ اسی روز عصر کے وقت ایک جوان صاحب جمال بغایت نحیف البدن آیا اور مجھے دیکھتے ہی یہ اشعار زبان پر لایا ؎

آں روز کہ مہ شدی نمیدانستی	کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلف دل حلقے بر بود	در گوشہ نشستنت نمیدارد سود

اس کے بعد یہ بات کہی کہ آدمی کو اوّل مشہور نہ ہونا چاہئے اور جس وقت مشہور ہوا پھر اسے گمنام ہونے کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ ورنہ فردائے قیامت حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو شرمندہ ہونا ہوگا۔ اس کے بعد کہا کہ کس قدر پست ہمتی اور کم حوصلگی کی بات ہے کہ خلق سے گوشہ گیر ہو کر حق سے مشغول ہوں بلکہ مردوں کا یہ کام ہے کہ باوجود کثرت آمد و رفت خلائق حق سے مشغول رہیں۔ جب وہ خاموش ہوا میں نے کسی قدر طعام جو موجود تھا اُن کے روبرو رکھا اُنھوں نے نہیں کھایا۔ میں نے اُسی وقت دل میں نیت کی کہ یہیں رہونگا۔ جس وقت میں نے یہ نیت کی اُنھوں نے ہاتھ کھانے میں ڈالا اور کسی قدر تناول فرمایا اور پانی پیا اور چلے گئے۔ بعد اس واقعہ کے میں نے اُن کو کبھی نہیں دیکھا۔

اسی عرصے میں امیر خسرو رح مع اپنے بھائیوں اعزالدین علی شاہ اور حسام الدین کے حضرت کے مریدوں میں داخل ہوئے اور خاص و عام بجانب حضرت کے رجوع لائے اور دروازے فتوح کے مفتوح ہوئے کہ ایک عالم نے اُس سے فائدہ اُٹھایا۔ لیکن باوجود اِس شوکت و عظمت کے ریاضت اور مجاہدہ آپ کا اِس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ہر روز روزہ رکھتے اور وقت افطار بہت تھوڑا کھانا تناول فرماتے اور سحری بھی نہ کھاتے تھے۔ اہل خانقاہ نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ آپ کھانا بہت

کم کھاتے ہیں اور سحری بھی تناول نہیں فرماتے - اس سبب سے آپ کی قوت بہت کم ہو جاوے گی - آپ یہ سنکر رو پڑے اور فرمانے لگے کہ بہت سے درویش اور سائلین مساجد اور دوکانوں کے گوشوں میں بھوکے پیاسے فاقہ زدہ پڑے ہوئے ہیں اُن کا یہ حال ہو اور میں شکم سیر ہوں - اس حالت کی یاد آوری سے کھانا میرے حلق کے نیچے نہیں اُترتا - ایسی ہی باتیں فرما کر آپ زار زار رونے لگتے - اور لوگ مجبور ہو کر دستر خوان سامنے سے بڑھا لیتے تھے ؛

مجاہدہ اور روزے کی نسبت آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ ہنگام سفر کشتی میں حضرت بابا فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا - آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ دہلی میں بیکار رہنا اچھا نہیں ہے - مجاہدہ اختیار کرنا روزہ ہمیشہ رکھنا کیونکہ روزہ نصف راہ دین ہے اور دیگر اعمال نصف راہ دیگر ؛

منقول ہے کہ آپ شب کو حجرہ خاص کا دروازہ اندر سے بند فرما لیتے تھے - اور تمام شب راز و نیاز میں مشغول رہتے تھے - جب صبح کے وقت دروازہ کھولتے تو بوجہ شب بیداری چشم مبارک سرخ ہوتی تھیں - اُس وقت جس کی نظر آپ کے جمال مبارک پر پڑتی وہ یہی تصور کرتا تھا کہ ایک مست و مخمور ہیں - امیر خسرو رح اسی ضمن میں کیا خوب فرماتے ہیں -

تو شبینہ مے نمائی بہرے کہ بودی امشب | کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد

حضرت سلطان المشائخ رح کو سماع سے بہت رغبت تھی - دو سو قوال جن کا سردار امیر حسن قوال تھا آپ کی خانقاہ کے وظیفہ خوار تھے - امیر خسرو رح اور خواجہ حسن بھی کہ علم موسیقی میں عدیم المثال تھے مجلس سماع میں نہایت خوش الحانی سے گاتے تھے ؛

منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت سلطان المشائخ رح اپنے پیر حضرت بابا فرید شکر گنج رح کے حضور میں حاضر رہتے تھے ایک مرتبہ حضرت بابا صاحب نے آپکے پاجامے کی طرف نظر کی تو وہ بہت بوسیدہ اور پھٹا ہوا معلوم ہوا۔ حضرت بابا صاحب نے اپنے گھر میں سے اپنا پاجامہ طلب فرماکر آپ کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اس کو پہن لو آپ نے کمال خوشی سے اسی وقت اپنے پاجامے پر اس کو پہن لیا لیکن جب کمر بند باندھتے تھے تو وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا کہ اچھی طرح باندھو آپ نے فرمایا کہ کس طرح باندھوں۔ فرمایا کہ ایسا باندھو کہ پھر حوروں کے واسطے بھی نہ کھلے۔ آپ نے سر قدموں پر رکھ کر قبول کیا اور بتوفیق الٰہی آخر عمر تک مجرد رہے اور مباشرت نہیں فرمائی۔

منقول ہے کہ خانقاہ عالی میں دو ہزار تنکہ روزانہ خرچ مطبخ اور خیرات فقرا و مساکین وغیرہ میں اٹھتا تھا۔ روزانہ جس قدر نذر و نذرانہ آتا تھا سب فقرا و مساکین پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ایک روز سلطان علاء الدین خلجی نے ایک مندیل زر و جواہر سے مملو کرکے برسم نذر حضرت سلطان المشائخ رح کے پاس بھیجی۔ اس وقت ایک قلندر اسفندیار نام حضرت کے پاس بیٹھا تھا۔ دور سے اس کی نگاہ اس پر پڑی۔ اور اسے دیکھ کر حضرت کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ایہا الشیخ ہدایا مشترک۔ آپ نے از راہ ظرافت جواب دیا۔ اما تنہا خوشتر۔ قلندر نے مایوس ہو کر اٹھنا چاہا آپ نے فرمایا کہ تنہا خوشترک سے میرا یہ مقصود تھا کہ تنہا تجھے مبارک ہو۔ یہ فرماکر تمام زر و جواہر اس قلندر کو بخشا۔ اس سے تنہا نہ اٹھ سکا اور خانقاہ کے خادموں نے اسکی مدد کی۔

حضرت سلطان المشائخ رح سے اس قدر کرامات اور خوارق عادات منسوب ہیں کہ اگر مختصر بھی بیان کئے جاویں تو ایک ضخیم کتاب طیار ہو جاوے افسوس ہر

کہ اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔ جن صاحبوں کو شوق ہو وہ سیر الاولیاء۔ سیر العارفین۔ راحت المحبین۔ افضل الفوائد۔ اخبار الاخیار۔ اور دیگر کتب سیر میں ملاحظہ فرماویں۔

منقول ہے کہ آپ نے رحلت فرمانے سے چالیس روز پیشتر کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ آٹھ مہینے سے آپ کو بول و براز نہیں ہوتا تھا۔ ایک روز اقبال اپنے خادم کو روبرو بلا کر فرمایا کہ جو کچھ اسباب نقد و جنس ہماری ملکیت میں ہے وہ سب حاضر لاؤ۔ کہ ہم مستحقین کو تقسیم کر دیں۔ خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ جو کچھ فتوح میں اسباب آتا ہے وہ اسی دن خیرات ہو جاتا ہے۔ البتہ چند ہزار من غلہ کا انبار ہے۔ کہ جو روزانہ خرچ لنگر میں صرف ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو کس واسطے رکھا ہے اسے بھی جلد باہر نکالو۔ اور مستحقین کو تقسیم کرو۔ غرضکہ اسی وقت تمام غلہ اور اسباب لٹوا دیا۔ اور بعد نماز ظہر بدھ کے دن حضرت شیخ نصیر الدین محمود رح کو طلب فرما کر خرقہ اور عصا اور مصلّا اور تسبیح اور کاسۂ چوبی جو اپنے پیر سے ملا تھا عطا فرمایا اور کہا کہ تم کو یہیں دہلی میں رہ کر زمانے کے جور و جفا پر صبر کرنا چاہئے۔ اس کے بعد نماز عصر آپ نے ادا فرمائی اور تھوڑی دیر بعد تاریخ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) کو ۷۴ برس کی عمر میں آپ جوار رحمت حق میں واصل ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

منقول ہے کہ حالتِ بیماری میں اکثر آپ بیہوش ہو جاتے تھے۔ جب ہوش آتا ارشاد فرماتے کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے یا نہیں اگر کہا جاتا کہ آپ ادا

---

[1] حضرت امیر خسرو رح نے جو مرثیہ لکھا ہے۔ اس میں یہ بیت تاریخ وصال میں تحریر فرمائی ہے۔

ربیع دوم و ہژدہ زمہ دلبر رفت آں مہ		زمانہ چوں شمار بیست داد و پنج و ہفصد را

وسط نقل کر دی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی التزام کیا گیا ہے کہ انھیں کتابوں کے حوالے دئے ہیں جو زیادہ تر مصر و بیروت و قسطنطنیہ اور خاص کر یورپ میں چھپ چکی ہیں اور ہندوستان میں مل سکتی ہیں کہ اصل منقول عنہ کے دیکھنے میں بھی کسی کو دقت نہ ہو اور سنٹیلسٹ فرقہ (مستشرقین یورپ) علوم و فنون کے صدہا جزئیات کا انکشاف علماء اسلام سے منسوب کرتا ہے اور دوسری جانب تنگ خیال مورخین (جورجی زیدان و فارس نمر و فرح الفلون و نوفل دجبارہ وغیرہ) کو مسلمانوں کے علم میں کوئی شاندار جدت نظر نہیں آتی۔ وہ اہل عرب کو یونانی علوم کا صرف مترجم کہتے ہیں۔ اس کتاب میں ان دونوں پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے اور تصویر کے دونوں رخ دکھلائے گئے ہیں۔ ہر علم کے واقعات اور مسائل اور مقدمات خود اس علم کی قدیم عربی کتابوں سے لئے گئے ہیں اور جدید اصول تنقید و درایت سے اُن پر بحث کی گئی ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر اب تک کوئی مستقل کتاب شائع نہیں ہوئی تھی یہ سب سے پہلی تالیف ہے جسکے دو جداگانہ اڈیشن عربی و اُردو میں الگ الگ شائع ہوئے ہیں۔ مولفہ عبداللہ العمادی + قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۸/

ان الدین یسر

یہ محققانہ رسالہ درحقیقت حدیث نبوی اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ (دین تو آسان چیز ہے) کی ایک بےمثل حکیمانہ تفسیر ہے جسمیں نصوص صحیحہ سے ثبوت دیا گیا ہے کہ ہمارے مذہب کے اصول نہایت آسان ہیں اور فروع میں بھی کوئی دشواری نہیں۔ مذہبی احکام میں آجکل جو سخت دشواریاں نظر آتی ہیں وہ زمانہ انحطاط کے مولویوں کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اسلام کے تمام احکام اصل میں نہایت سادہ و قریب الفہم ہیں۔ ہر قوم اور ہر ملک کیلئے اسلام کی پابندی آسان ہے اور ہر حیثیت سے دنیا کے عالمگیر مذہب ہونے کی اس میں صلاحیت موجود ہے مولفہ شمس العلماء مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی ۔ قیمت ۰۰ ۳ ر